می دہم آب از سرشکِ دیدہ باغِ خویش را
تازہ می دارم ببوئے گل دماغِ خویش را

کہکشاں

نتیجۂ تخیل

محترمہ محمودہ صاحبہ رضویہ

مصنفہ

دردانہ، لالہ زار، سوز و ساز، نامۂ تہدید و ارمغاں

مئی ۱۹۴۳ء

پبلشر آصف جاہ کاروانی ایم اے نے

ہندوستانی دارالاشاعت۔ انجمن ترقی اردو کراچی سے شائع کیا

باراول — قیمت ڈیڑھ روپیہ

اشرف المخلوقات سے

مہر عالمتاب تمام دن پروانہ وار سُلگتا ہے۔ یخ بستہ کائنات کو حرارت پہنچانے کے لئے اور اُس کے گوشے گوشے کو اپنی تابانیوں سے منوّر کرنے کے لئے۔

ماہِ شب چراغ تاریکیٔ شب کو دور کرتا ہے خواہ مٹیالے مٹیالے بادل اُس کے تزئینِ جمال کو پریشان کردیں یا چکور دردناک آواز سے فضا میں تہلکہ مچادے۔ اُسے محض اپنے کام سے کام ہے اور ادائیگیٔ فرض کا خیال۔

اور یہ ننھے ننھے چمکیلے تارے! یہ زاہدانِ شب بیدار!! جنکا نصب العین آوارہ منزل مسافر کی رہنمائی کرنا ہے اور حتی الامکان خدمت بجالانے میں کچھ عُذر نہیں۔

لیکن نفس پرور انسان! وائے برحال تو!! کہ عطیّاتِ فطرت اپنی ہی ذات تک محدود کرلئے۔ اپنے ہم جنسوں تک کی پروا نہیں

نیچر کی ایثار پسندی تجھ پر عیاں ہے لیکن تو بجائے خود ایک وسیلہ بننے سے منکر ہے

ورنہ بحرِ ناپیدا کنار کو دیکھ! کہ کائنات کو جل تھل کر دینے کے لئے اپنی گہرائیوں سے پانی اچھالتا ہے ..... زمین! شفیق و مہربان زمین!! اپنی چھاتی چیر کر نباتات عطا کرتی ہے ... اور ہوا کے روح پرور جھونکے ذرہ ذرہ میں لرزشِ حیات پیدا کرتے ہیں

لیکن خود غرض انسان! تو اشرف المخلوقات ہو کر بھی کچھ نہیں کر سکتا. کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتا. اپنی تکمیلِ آرز کے لئے ضرور کوشاں ہے لیکن کسی حاجتمند کی حاجت روائی سے بے پروا.

ورنہ اگر اپنی معمولی سی خراش پر تو بلبلا سکتا ہے تو کسی سائل کے سوال کو بے اعتنائی کی ٹھوکروں سے رد کرنا کیا معنی!

اگر تیرے تنِ نازک پر اک سرد جھونکا کپکپی طاری کر سکتا ہے تو اُن بے سروسامان ہستیوں کا احساس کیوں نہیں جن کے جسم سردی نے نشتر کی طرح چیر کر رکھ دئے ہیں. خاردار کانٹوں کی طرح چھید کر رکھ دئے ہیں

وائے غضب! کہ تو شکم سیر ہو کر بسترِ استراحت پر آرام کرتا ہے حالانکہ تیرے ہی جیسی ذی روح ہستیاں، اک پارۂ نان کو ترس رہی

رہی ہیں۔ صدائے نفس پر لبیک پکار اٹھنا تو کوئی بات نہیں انسانیت
کے تو یہ معنی ہیں کہ انسان سے اشتراک کیا جائے اُس کے دکھ پر دل میں
چُبھن محسوس ہو اور اُس کی خوشی پر طمانیت قلبی
ورنہ اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ بے دلیل ہے
اور فطرت کی بہترین اختراع ہونے کا ناز بیجا۔
اُف! اس تخلیق پر تو نیچر بھی پشیمان ہوتی ہو گی۔

خلشِ لاعلاج

خورشید خاور مشرق سے مع اپنی رعنائیوں کے نمودار ہوتا ہے
اس کی زریں کرنیں ہر شے میں حیات تازہ کی لہر دوڑا دیتی ہیں وہ
شبنم آلود سبزہ پر رقص کرتی ہیں اور بچی کھچی تاریکی کو اپنی درخشانی
میں جذب کر لیتی ہیں
اس وقت کائنات کا چپہ چپہ گلرنگ ہوتا ہے اور ذرہ ذرہ
مسرور و شاداں۔
یہاں تک کہ پژمردہ قلوب کے لئے بھی یہ وقت اعجاز مسیحائی
بنا کر آتا ہے اور نسیم سحری انھیں کچھ دیر کے لئے اس طرح شگفتہ کر دیتی

ہے جیسے نشاط زا جھونکوں سے گلاب کی کلی کھل جایا کرتی ہے
لیکن میں اس وقت بھی متفکر ہوتی ہوں اور بجھی ہوئی
قندیل کی طرح افسردہ۔

طلوعِ آفتاب مجھے اس کے غروب ہونے کا لمحہ یاد دلاتا ہے
جب وہ اک حالتِ بےسر و سامانی میں دم توڑتا ہے اس کی ان متغیر
نگاہوں اور تصورِ دمِ واپسیں سے میں سراسیمہ ہو جاتی ہوں اور
متوحش و مضطرب۔

عندلیبِ شیدا کے سُریلے راگ کیسے جادو اثر ہیں۔ وہ
فضاؤں میں تیرتے ہوئے پُرکشش نغمے اجو اپنی نشاط انگیزیوں سے
سینکڑوں قلوب کھلا دیتے ہیں۔ جانگدازیٔ حیات تک کو کچھ دیر کے
لئے فراموش کرا دیتے ہیں۔

کیٹس کی محبوب عندلیب! اک ایسا ماحول پیشِ نظر کر دیتی
ہے جیسے کوئی لحنِ داؤدی میں رباعیاتِ عمر خیام دُہرا رہا ہو
لیکن آہ! مجھے تو یہ نغمۂ شادمانی صدائے ماتم معلوم ہوتا ہے
اور اُس وقت کا منظر حاوی بر دنیائے تخیّل اجب یہی خوش الحان لہجہ
اُسے گرفتارِ قفس کرا دے گا۔ معصوم و مظلوم عندلیب! اُس کا ننھا
سا قلب شکستہ ہو جائے گا اور بے ضرر آرزوئیں حدِ قفس تک محدود

وہ مسرور اور خندہ روحیں! جو ثروت و دولت سے چور چور ہیں، جن کے
آئینۂ دل پر امتدادِ زمانہ سے اک ہلکی سی شکن بھی نہیں پڑی، جن کے
لئے انبساطِ روحانی ہے اور سامانِ آرائش جسمانی۔

مجھے ان فلاکت زدہ ہستیوں کی یاد دلاتی ہیں، جو کسی بھیں جذبہ
کی طرح چھپی ہیں اور سرمایہ داری کیلئے باعث ننگ و عار۔

جن کے ہر ہر لمحۂ حیات پر غلبۂ اُداسی ہے اور آہ کے شعلوں
کو بجھانے کی ناکام سعی میں مصروف اشک ہائے غربت۔

بہار کی چمکیلی صبح بھی تو اس خلش کو کم کرنے سے معذور ہے
جو مسلط بر دل و دماغ ہے

اس وقت جب کائنات باغِ عدن کے ایک ٹکڑے کی مثال
پیش کرتی ہے اور آفتابی شعاعیں مختلف رنگینیوں کو منعکس۔

تو مجھے خزاں کی اس بھیانک دوپہر کا تصور بے قرار کر دیتا ہے
جب یہی کائنات نیم جان ہوگی اور ہر ذی حیات ہستی شدت دہشت و
الم سے لرزاں۔

زندگی کی ہر درخشانی میرے لئے اس کا تاریک پہلو لے کر
آتی ہے اور دہر کے مظہرِ انقلاب ہونے کی وجہ ثبوت بن کر۔

ان تلخ تجربات سے میں دل شکستہ ہو رہی ہوں میری

سوگواریاں ترقی پذیر ہیں اور روح بیمار کی کراہ کی طرح
اُداس اُداس !!..... آہ..... !!!

لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں یہ راحت ہے وہ عیش
ہم یہ کہتے ہیں کہ بے فکروں کو راحت ہر کہیں
خلد میں بھی آئے گا اہلِ جہنم کا خیال
ہائے ہم کو تو کہیں بھی چین کی صورت نہیں

طمانیت قلبی

میری اُداس آنکھیں اشکبار ہیں اور تھکی تھکی روح بے کیف۔ مایوس دل افسردگی کی گہرائیوں میں تیر رہا ہے اور دنیائے تخیل پر اک حجابِ مکمل غم حاوی۔

طمانیتِ قلبی۔ وجہ سکون و نشاط! میں نے تیری تلاش میں چپہ چپہ چھان مارا لیکن آہ! میری ہر جستجو بے سود رہی کائنات کے ذرے ذرے میں تجھے تلاش کرتی رہی ایک ایک گوشے میں ڈھونڈتی رہی لیکن افسوس میرا ہر سفر ناکام ہو کر رہ گیا۔

خوبصورت پہاڑی ندی جب ترانۂ مسرت الاپتی آگے
بڑھتی ہے اور شوخ و شوریدہ موجیں قہقہے لگاتی ہیں ذکر امروز سے
بے فکر اور فکرِ فردا سے بے نیاز۔ تو مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ الھڑ
اور بخت موجیں دولتِ طمانیت سے مالا مال ہیں۔ میں بے چین
ہو جاتی ہوں اور سکون کی جائے قیام دریافت کرنے کی مشتاق!
لیکن مالک! میرے تحیّر اور تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی
جب اس سوال سے اُن کی برقراری بیقراری میں تبدیل ہو جاتی ہے
جس کا اظہار جھاگیں بہا بہا کر ہوتا ہے اور ساحل سے سر پٹک کر
اور وہ غنچہ ہائے نو دمیدہ جن کی شگفتگی اور رعنائی
میرے لئے باعث استعجاب ہوتی ہے اور پاکیزہ خوشبو وجہ تسکین و سرور
میں پھر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہوں کہ بارانِ طمانیت انہی
دلفریب غنچوں میں جذب ہو چکی ہے۔ جبھی تو وہ شاخوں پر جھوم رہے
ہیں فرطِ مسرت سے کھل کھل کر پھول بن رہے ہیں۔
لیکن میرا یہ سوال اُن کے ننھے ننھے قلوب مرجھا دیتا ہے
اُن کی پنکھڑیاں بکھر جاتی ہیں اور رعنائی مبتلا بہ زوال۔
اور اس وقت میری سوگواریاں بھی حرکت میں آجاتی ہیں
افسردہ آنکھوں سے اک نہ تھمنے والا طوفانِ اشک جاری ہو جاتا ہے

اور روح پر غلبۂ ناتوانی طاری۔

طمانیت قلبی! بربطِ دل کے چھینے ہوئے نغمے!! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟

نغمۂ ناتمام

کیسا دلکش افسانہ ہے اور کیسا پُردرد واقعہ!! کہ اک عندلیب خوشنوا گرفتارِ قفس کردی جائے۔ بہار کی کسی چمکیلی صبح کو محبوس کردی جائے اور گُلاب کی کلی کے چٹکنے سے پیشتر اس سے علیٰحدہ کردی جائے

کیسی حسرتناک ہے! وہ پھیکی مسکراہٹ! جو ہزاروں تلخیاں پوشیدہ کئے ہوئے ہو جس میں زندگی کی سینکڑوں کلفتیں چھپی ہوئی ہوں اور مایوسیوں کے انبار پوشیدہ! کتنی قابل رحم ہے اس شاداب پھول کی حالت!! جس کی پنکھڑیاں نسیم سحر سے دیوانہ وار جھوم رہی ہوں شبنم کو اپنی گہرائیوں میں جذب کر رہی ہوں لیکن شام ہونے سے پیشتر وہ اک گُل پژمردہ میں تبدیل ہو کر رہ جائے جس میں نہ رنگ ہے اور نہ خوشبو۔

کیسا پُر درد ہے وہ وقت! جب ماہِ عالمتاب اپنی درخشانی کو خیرباد کہہ دے اُس کی زرّیں مسکراہٹ مفقود ہو جائے اور حسین چہرے پر غلبۂ زردی حاوی جب وہ اٹھائیسویں کا چاند بن کر کائنات کو الوداعی نگاہوں سے تکتا ہے اور آن برستے ہوئے بادلوں کی طرح جو آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں غائب از نظر ہو جاتا ہے۔

کیسا مایوس کن انجام ہے اس خواہش کا! اُس بر نہ آنے والی آرزو کا!! جو کسی گوشۂ دل میں پرورش پا رہی ہو اور پوری ہونے کے لئے بے قرار! لیکن شرمندۂ تعبیر ہو کر رہ جائے تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دے

ہر طلوعِ صبح مجھے قوس و قزح کی طرح حسین معلوم ہوتی رہی شفق کی طرح رنگین اور موسمِ بہار کی سی پُرکیف۔

لیکن آہ کہ ہر آنے والی شام اُسے اک خواب فراموش بنا دیتی خزاں کے پھول کی طرح پژمردہ۔ بیمار کی کراہ کی طرح اُداس اور برسے موسم کے آسمان کی طرح بے رونق شام

تو کیا ہر سہانا خواب اضطرار کی لہریں لئے ہوئے ہے اور آہوں کے انبار اس کے مناظر پر درد ہیں اور تعبیر اذیت کوش کیسے ناتمام ہیں حیاتِ انسانی کے پُرسوز اور کیسے

مرا ب آسا جو وقت کے ہیجان آمیز سمندر میں اس طرح کھو جاتے ہیں جس طرح کسی دیوانے کی بے معنی چیخ فضا میں ڈوب کر رہ جائے۔

ابرِ تاریک

ماہِ شب تاب ہم اپنی رعنائیوں کے چمک رہا تھا۔ اسکی حسین شعاعیں جھیل کے پانی پر رقصاں تھیں اور وسیع فضاؤں میں لرزاں۔

کائنات مسرور و متبسم تھی۔ شاعر کے خیال کی طرح خوبصورت اور خواب جیسی جمیل! ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اک جوئبارِ نور پھوٹ پڑا ہو جس کی کیف آفرینیوں سے ہر ایک سرشار ہو اور مسحور۔

ایکا ایکی ایک سیاہ بادل نے اُسے نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا کچھ دیر کے لئے اپنی گہرائیوں میں چھپا لیا۔ لمحات کائنات پہ جیسے اُداسی چھا گئی ہو۔ آسمان موسمِ خزاں کی طرح بے رونق نظر آنے لگا۔ ستارے کسی مخفی الم سے لرزہ بر اندام تھے اور خیالات

سکے تلاطم خیز سمندر کی لہروں میں کھوئے کھوئے۔ اب اُن کی شوخی کی جگہ بے قراری نے لے لی تھی اور خوابوں کی دنیا میں تفکرات کا دور دورہ تھا۔

اسی طرح! بالکل اسی طرح!! آرزوؤں کا چاند بھی دل کی گہرائیوں میں چمکتا رہتا ہے۔ بڑھتی ہوئی اُمنگیں اور بے ضرر معصوم خواہشیں اسے اور بھی درخشاں کر دیتی ہیں اور لمحاتِ خوش آیند کا تصور جلوہ بداماں۔

لیکن یکا یک تفکرات کی گہری گہری گھٹائیں اُسے نرغہ میں لے لیتی ہیں، اُمنگیں حسرتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور خواہشیں مبدل بہ تشنۂ تکمیل۔

غمگین دل کی پُردرد التجائیں ان تفکرات پر اثر کرنے سے معذور ہیں اور بے چین رُوح کی آہیں دخل انداز ہونے سے عاجز۔

شبِ ماہ تاب تو آخر ان تاریکیوں پر غالب آ ہی جائے گا اور اپنے تابشِ تبسم سے کائنات میں طوفانِ رنگ و بو بکھیرے گا ستارے حسبِ سابق مسرور ہوں گے اور ہر ذرۂ دہر شاد و شاد۔

لیکن ان برباد آرزوؤں کا حصار! یہ تفکرات کا ازدہام یہ تو دل کی گہرائیوں کو اس طرح متزلزل کر دیتا ہے جیسے صحرا میں

ریت کا طوفان اُٹھ کر ہر چیز کو پریشاں کر دے
دہر کی بڑی سے بڑی مسرت بھی اس کا اثر زائل کرنے سے
معذور رہے اور اسے فراموش کرا دینے سے قطعی مجبور!

جُدائی

سرما کی وہ بھیگی بھیگی صبح! موسم خزاں کے دُھندلے آسماں پر آفتاب نمودار ہو رہا تھا۔ شفق کی آتشیں شعاعیں پسماندہ تاریکی کو سمیٹ رہی تھیں۔ شبنم آلودہ سبزہ پر تھرتھراتی کرنیں رقصاں تھیں اور ٹھٹھری ہوئی کائنات اپنے جسم کو تابشِ مہر سے گرما رہی تھی۔

لیکن میرے لئے! آہ میرے لئے! وہ صبح کسی خفتہ نصیب کے بخت سے کم تاریک نہ تھی۔ رنگِ آفتاب مجھے پھیکا پھیکا نظر آتا اور شفق کی سُرخی میں جگرِ لخت لخت کی آمیزش۔

کیونکہ میری آرزوؤں کا آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غروب ہو چکا تھا مع اپنی درخشانی کے صفحۂ دہر سے غائب ہو چکا تھا۔ میرے مخزنِ الفت کو آہنی پنجۂ موت نے چھین لیا تھا۔

اور پھر وہ شامِ عید! رنگین و دلکش شامِ عید!! جب ہر طرف سے مسرت و شادمانی کے راگ بلند ہو رہے تھے بچے شاد شاد تھے نوجوان متفخر و مسرور اور بوڑھے بخیت

اور اِن مسرتوں کو دوبالا کرتا ہوا ہلال! حسین و دل آویز ہلال!! جنہیں دیکھ کر پژمردہ قلوب گلاب کی پتیوں کی طرح کھل گئے تھے اور افسردہ روحیں معمورۂ انبساط بن گئی تھیں۔

کائنات خوشیوں کا جھولا جھول رہی تھی اور مسرور بہ نشاط آفرینئ ماحول۔

لیکن میرے لئے! اُف میرے لئے!! وہ شامِ عید شامِ اندوہ سے کم نہ تھی۔ ہلال پر مجھے غرۂ محرم کا دھوکا ہوتا اور کائنات کی جلوہ سامانی مبدّل بہ ظلمت بداماں نظر آتی

کیونکہ میری اُمیدوں کا چاند چھُپ چکا تھا میری "جنت" اور وجہ ہود مجھ سے جُدا ہو چکی تھی اور ابد تک کے لئے قدسی وادیوں میں پرواز کُناں۔

میں کسی مایوس مہجور کی طرح بے قرار تھی اور لرزتے ہوئے نغمے کی طرح بے تاب۔

کیونکہ میری بہارِ حیات کو موت کے دستِ تطاول نے

چھین لیا تھا۔ اب خزاں کا غلبہ تھا اور ستم ظریفیٔ فطرت پر حیرت۔ تعجب اور افسوس۔

آفتاب آزادی

نیلگوں آسمان میں آفتاب عالمتاب مصروفِ ضیاپاشی تھا۔ اس کی لڑکھڑاتی ہوئی الھڑ کرنیں جھیل کی گہرائیوں میں جھانک رہی تھیں نوشگفتہ غنچوں کو مسکرا مسکرا کر پھول بنا رہی تھیں اور لمحاتِ کائنات پر مسرت بن کر چھا رہی تھیں

ایکا ایکی افق مغرب سے اک تاریک سا ابر اُٹھا اور درخشاں مہر کو اپنی ظلمت میں چھپالیا

حسین کرنوں نے تاحدِ امکان مدافعت کی کوشش کی لیکن لاحاصل! ان کی ہر بڑھتی ہوئی سعی سعیٔ ناکام ہو کر رہ گئی

اب آفتاب غائب از نظر تھا اور مسکراتی ہوئی کرنیں آغوشِ الم میں نہاں! لمحاتِ کائنات پر اُداسی چھا رہی تھی اور ننھے ننھے غنچوں کے قلوب پر پژمردگی طاری

مطلعِ ہند کبھی درخشاں تھا اور پُرسطوت! یہاں

کا ذرّہ ذرّہ مسرور تھا اور گوشہ گوشہ اپنی آزادی پر مغرور و متفخر۔
ایکا ایکی مغرب سے غلامی کا ابر تاریک اُٹھا اور چشم زدن میں سرزمینِ ہند پر مسلط ہو گیا۔ خرّم و مسرور دل، افسردگی کی اتھاہ تاریکیوں میں تیرنے لگے اور خود دار روحیں احساسِ غلامی سے جھک جھک کر رہ گئیں۔

لیکن جس طرح آفتاب عالمتاب کبھی پردۂ ابر میں نہیں رہ سکتا اور کرنوں کی متفقہ کوششوں سے لحمہ بہ لحمہ تسلّطِ سحاب کم ہو رہا ہے۔

اسی طرح آزادی پسند روحیں کبھی غلام نہیں رہ سکتیں حبِّ وطن کا جذبہ ہر رکاوٹ کو آسان ترین کر دے گا اور بڑھتے ہوئے مصائب کو قابلِ برداشت۔

ملک کی ظلمت بداماتی مبدّل بہ جلوہ سامانی ہو جائے گی اور اہلِ ملک کی سوگوار آنکھیں احساسِ آزادی سے درخشندہ۔

آفتاب حسبِ سابق زرّیں مسکراہٹیں بکھیر رہا ہے شکستہ تارِ عنکبوت سے بے نیاز اور کسی آنے والے خدشے سے بے پروا۔

حسین کرنیں آنکھ مچولی میں مصروف ہیں اور پہلے سے زیادہ شوخ و شنگ!

اک درخشاں مستقبل کا ہند کو بھی انتظار ہے۔ جب مشرقی وادیوں سے آفتابِ آزادی جھانکے گا۔ کروڑوں دھڑکتے ہوئے قلوب کی جراحت بن کر اور ہزاروں خوش آیند خوابوں کی تعبیر!

شوریدہ سر موجو

شوریدہ سر موجو! تم اس قدر بے قرار کیوں ہو؟ کیا بحیرۂ عرب کی وسیع آغوش میں تمہارے لئے کوئی جائے قرار نہیں یا کوئی مخفی خلش تمہیں ہر لمحہ آمادۂ مسافرت کرتی رہتی ہے نہیں تو وارفتہ خاطر موجو! یہ فاختہ کی سی سبک رفتاری کسی دائم المرض کی سی بیکلی اور گزرتے ہوئے وقت جیسی تیزی کیوں؟

تمہارے تصورات کی فلک بوس چٹانیں مسمار ہو کر رہ گئیں یا آرزوؤں کے سفینے ساحلِ مراد تک نہ پہنچ سکے۔

تمہاری وہ ناز بھری اٹکھیلیاں کہاں کھو کر رہ گئیں اور وہ ماہتاب کی سیمیں کرنوں کے ساتھ آنکھ مچولی۔ جب وہ اپنے سحاوی رقص سے تمہیں مدہوش کر دیا کرتی ہیں اور تم اپنے

تم اپنے والہانہ راگوں سے انھیں بے خود بنا دیتی ہو

تم اپنے پسندیدہ کھیلوں سے اتنی بیزار کیوں ہو گئیں کہ
دیوانوں کی طرح ساحلِ سمندر سے سر ٹکرا رہی ہو۔ خرد و حواس سے
بے نیاز جہانِ شیریں تک کو خیرباد کہنے کو تیار ہو

آخر ہستی سے اس قدر الجھن کیوں؟ اور یہ بڑھتا ہوا
جوشش و الم

تمھارا کوئی حسین خواب! کوئی سہانا سا سپنا!! تو بحرِ عرش
کی وسعتوں میں نہیں ڈوب کر رہ گیا یا ان ابھری ہوئی چٹانوں میں
کوئی آرزو مدفون ہے

دل گرفتہ موج! اس قدر دلگیر ہونے سے کیا فائدہ! کیا یہ
چٹانیں نگلی ہوئی آرزوؤں کو تمھاری سطح پر لا ڈالیں گی یا سمندری
وسعتیں ان شیریں خوابوں کو اگل دیں گی

تم شدتِ یاس سے لڑکھڑا رہی ہو آخری شعاعِ آفتاب
کی طرح جو آغوشِ شام میں کانپا کرتی ہے

لیکن یہ بڑھتی ہوئی شوریدگی کب تک؟....... دہر کا
تو ذرہ ذرہ اس کے مظہرِ انقلاب ہونے کی گواہی دے رہا ہے اور غنچہ
غنچہ بر نہ آنے والی خواہشوں کے ہاتھوں نالاں۔

شفق کی آتشیں شعاعیں شب کی تاریکیوں کو اپنے دامن
میں سمیٹتی رہتی ہیں لیکن خود شام کے دھندلکوں میں جذب ہو جاتی ہیں
حسین کلیاں مسکرا مسکرا کر پھول بنتی رہتی ہیں لیکن
فضاؤں میں منتشر ہو جانے کے لئے۔
اِس لئے آوارہ خرام موجو! خزاں کے پھول کی طرح
پژمردہ اور بیمار کی کراہ کی طرح اُداس نہ ہو" ہستیم اگر می روم"
میں ہی رازِ حیات مضمر ہے جو لمحہ ساحلِ سمندر سے پرانی داستانیں
سُنتے گزر جائے وہی غنیمت ہے اور باعثِ سکون و وجہ طمانیت

محفلِ انجم

رات خاموش ہے اور تاریک! کسی کے خفتہ نصیب کی طرح
تاریک!! کائنات پر غضب کا سناٹا چھا رہا ہے۔ روح کو بیدِ مجنوں
کی طرح لرزا دینے والا سناٹا! دہر ردائے عنبریں میں ملبوس ہے
اور خوابِ فراموشی میں غرق۔
کبھی کبھی مندر کی چھت پر بیٹھا ہوا اُلّو غمگین آواز سے
چیخنے لگتا ہے یا ہوا زور زور سے فرّاٹے بھرنے لگتی ہے جیسے

کوئی غیر مرئی روح ہچکیاں لے لے کر رو رہی ہو۔
اور سب خاموشی ہے شہر خموشاں کی سی خاموشی !!
ایسے وقت میں آسمان پر ستارے قطرات اشک کی طرح لرزاں ہیں اُداس اُداس نگاہوں سے زمین کو تک رہے ہیں۔
کائنات کا ذرہ ذرہ محوِ استراحت ہے اور چپہ چپہ ساکت و ساکن !! لیموں کی کلیوں کی ہلکی ہلکی خوشبو فضا میں بس رہی ہے۔
کبھی کبھی بوڑھا "بحیرۂ عرب" گہرے گہرے سانس لینے لگتا ہے یا کوئی بے قرار موج ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے اس کے علاوہ سکون مسلط بر سرِ کائنات ہے اور سکوت سرِ پر آر لئے دہر۔
کبھی کبھی دور سے کسی نغمے کی گونج سنائی دے جاتی ہے جیسے اندھیرے کے سینے پر نشتر چل پڑا ہو یا کسی شوریدہ سے جھونکے سے جبینِ کائنات کانپ اٹھتی ہے۔
اس کے علاوہ موت کا سا سکون ہے اور رہی خواب کی سی خاموشی۔
لیکن اس موسیقی سے معمور سمے میں درخشاں ستارے

لپکپا رہے ہیں اور ان تفکرات میں غلطاں و پیچاں !! کہ جب چاندنی راتیں ختم ہو جائینگی اور ماہ شب تاب پردۂ نیلوفری میں نہاں تب آہ! اس جانسوز وقت میں قلب شاعر پر کیا گزریگی اپنے تخیل کا موضوع کھو کر وہ خیالات کا ذخیرہ کہاں سے حاصل کرے گا اور اس کی متلاشی سکون روح! وہ اپنے گمشدہ تحفۂ راحت کو کس طرح پا سکے گی۔

یاد رفتہ

دن بھر کا تھکا ماندہ آفتاب گوشۂ عافیت میں سکون پذیر ہو چکا۔ اب تاروں بھرا آسمان ہے اور کفن سحاب میں لپٹا ہوا زرد زرد چاند۔

دور کہیں گھنی جھاڑیوں میں بلبل گا رہی ہے اسکے دور سے سنائی دینے والے نغمے کی گونج میرے بربط دل کو جھنجھنا رہی ہے جذبۂ احساس کو تیز تر کر رہی ہے۔

مجھے ماضی کے دھندلکے میں لپٹی ہوئی ان خوشگوار گھڑیوں کی یاد آ رہی ہے جن کی محض یاد ہی اب مقصد حیات ہو کر

رہ گئی ہے۔ اللہ! وہ گزری ہوئی ساعتیں! جو پھول کی منتشر و پراگندہ پنکھڑیوں کی طرح بکھر چکی ہیں۔

رات کے دھندلے دھندلے سائے گہرے ہو چلے ہیں، ستارے آسمان میں قطرات اشک کی طرح لرزاں ہیں چاند بادلوں سے جھانک جھانک کر دنیا کی بے وفائی کا تماشا دیکھ رہا ہے۔

میرے احساسات پر گمشدگی سی طاری ہے اور یاد ایام حاوی بر دل و دماغ! وہ برشگال کی وقتی دھوپ کی طرح ناپائیدار لمحے! جن کی یاد میرے لمحوں پر اداسی بن کے چھا چکی ہے۔

رات کی تاریکی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی ہے۔ کائنات کی وسعتوں پر سکون کا فرشتہ اپنے سفید پر پھیلائے ہوئے ہے اور جھینگر زبانِ بے زبانی میں کوئی داستان سنا رہے ہیں۔

ایسے وقت میں میری روح عالم خیال کے راستوں پر سفر کر رہی ہے اور رات کے سایوں میں پرواز کرتے ہوئے اس پرندے کی طرح خستہ ہے جس کا کہیں مسکن ہو نہ ٹھکانا۔

اللہ! وہ ستارے کی طرح درخشاں۔ روح کی مبارک اور کلی جیسے معصوم لمحات! جو اب نقش بر آب ہیں اور افسانۂ پارینہ۔

لیکن ان کی یاد! کاش میں اسے کچھ دیر کے لئے

فراموش کر سکتی۔ اس موسیقی سے معمور سکون میں حیات کی
کسکِ جانگدازسے نجات پا سکتی۔
یادِ ایّامِ عشرتِ فانی...... آہ!!!

سوزِ دل

آہ! مجھ سے یہ نہ دریافت کرو کہ اس درخشاں اور حسین رات میں افسردہ کیوں ہوں۔ ایسے وقت میں جبکہ ہر شے خوابوں کی دنیا میں تیر رہی ہے اور ذرہ ذرہ ماہِ شب تاب سے اس طرح روشن ہے جیسے کسی فانوس میں آتشیں شعلہ لرز رہا ہو مجھے ہر طرف تاریکی کے بڑھتے ہوئے سائے کیوں نظر آتے ہیں۔

پژمردہ قلوب کے لئے تو شب ہائے جلوہ ساماں بھی ویسی ہی ہیں۔ جیسے دبیز لبادے میں لپٹی ہوئی تاریک راتیں۔

میری بے قرار روح! آہ وہ تو افسردگی کے سمندر میں ڈوب رہی ہے آخری شعاعِ آفتاب کی طرح لرزاں ہے اور تیز و تند جھونکوں کی طرح بے اختیار۔

تو پھر! جب روح کو ہی سکون نہ حاصل ہو تو اس افسانوی

ماحول کا اثر کیا ؟ ۔۔ اور مفلس کے آنسوؤں کی طرح بے کار حیات کا لطف کیا ؟

اُف ! مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ ایسی خواب جمیل رات میرے بربط دل کو جھنجھنا کیوں نہیں دیتی ۔ اس میں شک نہیں کہ آسمان سے پُر سرور نغموں کی بارش ہو رہی ہے لیکن میرا دل پژمردہ ! اسکے تار تو گنگا کی لہروں کی طرح خاموش ہیں اور نغمے ساکت ! اس میں نہ آرزوئیں ہیں اور نہ بڑھتی ہوئی حسرتیں ۔

یہ نہ دریافت کرو کہ بہار کی اس روح پرور صبح میں بیگانہ از ماحول کیوں ہوں ۔ ایسے وقت میں جب کہ نسیم سحر کی ہر جنبش دل میں خوشی کی لہر پیدا کر دیتی ہے اور شب کی سیاہیوں کو سپیدۂ صبح جذب کر رہا ہے ۔ مجھے احساس مسرت کیوں نہیں ہوتا اور نہ ہی اولین شعاع آفتاب تازگی حیات عطا کرتی ہے ۔

اُف ! مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہوا کے تیز جھونکے درختوں سے ٹکرا ٹکرا کر آہ و زاری کر رہے ہیں ۔ آفتابی کرنیں کسی سوز نہاں سے گلرنگ ہیں اور چنبیلی کی کلیوں پر اوس کے چمکتے ہوئے قطرے یہ آنسو ہیں جیسے ملکۂ شب کی نرگسی آنکھوں سے ڈھلکے ہوئے آنسو

آہ یہ نہ کہو کہ عندلیب خوشنوا ! میری وارفتگی کا مذاق

اُڑا رہی ہے۔ کھلے ہوئے پھول میری شوریدگی پر ہنس رہے ہیں اور شفق کی سُرخی میں تمسخر کا عنصر ہے

اُف نہیں! بیچاری عندلیب تو تصوّرِ صیّاد سے لرزہ براندام ہے اور گلہائے چمن سینہ فگار! اور شفق کی سُرخی! یہ گہری گہری سُرخی!! یہ تو نہ معلوم کس الم میں دلِ صد چاک ہے۔

مسرّت گمشدہ! اور سکونِ قلبی!! اُف ان ہی چیزوں نے تو میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ مجھے لذّتِ حیات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تہی دست کر دیا۔ اب بے چین رُوح ان کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔ آسمانی بلندیوں میں پرواز کُناں چیل کی طرح گم ہے قلبِ شکستہ پر بارِ الم ہے اور اُداس آنکھوں میں افسردگی کا بوجھ۔

خستگیِ حیات

دہر کے سالخوردہ چہرے پر رات کی تاریکی کا پردہ پڑ چکا ہے۔ طائرانِ خوشنوا پر سمیٹے پتّیوں کی اوٹ میں روپوش ہیں آسمان پر سیاہ بادلوں کے ٹکڑے اِدھر اُدھر رقصاں ہیں اور

زمین پر سرد ہوا کی چھیڑ چھاڑ سے درختوں کے پتے لرزاں۔
وقت پُرسکون ہے خواب آور اور جادو اثر۔ اطمینان
کائنات کے ذرّے ذرّے سے ظاہر ہے اور سکوت اس کے
چپے چپے سے عیاں۔

لیکن ایسے نشاط انگیز وقت میں بھی میری روح بے قرار
ہے اور بھٹکے ہوئے آہو کی طرح گھبرائی گھبرائی! جیسے بڑھتی ہوئی شورش
حیات کی تاب نہ لا کر ناتوانی کے سمندر میں ڈوب رہی ہو اور عالم
فانی سے تنگ آ کر دنیائے جاودانی میں پرواز کرنے کو تیار!

اُف! زندگی کی بڑھتی ہوئی کلفتوں نے اسے اُلجھا کر
رکھ دیا ہے حرکات مدّ و جزر کی مانند گریزپا بنا دیا ہے

ہلکی فرحت بیز ہوا پتّوں کو سرسراتی ہوئی چل رہی ہے
کرمک شب تاب کی اُڑتی ہوئی چنگاریاں شہاب ثاقب کا نظارہ
پیش کرتی ہیں اور ہر چہار طرف نیند کی ہلکی ہلکی مدہوشی چھا رہی ہے
لیکن اللہ! اللہ! خستگی حیات اور اس کی بیش از بیش
ہنگامہ آرائیاں! کہ میں اس وقت بھی کون و مکان کی وسعتوں
میں بھٹک رہی ہوں۔ اپنی تھکی تھکی روح اور افسردگی سے محیط
قلب کے لئے سکون کی تلاش میں ہوں۔

آسمان پر ستارے اس طرح جگمگا رہے ہیں جیسے کسی کی معصوم نرگسی آنکھوں میں روشنی کانپ رہی ہو۔ کائنات زرّیں خواب دیکھنے میں محو ہے اور رات اپنے سنّاٹے میں کسی سے باتیں کر رہی ہے ایسے وقت میں میرا خواب خیال بن چکا ہے۔ بڑھتے ہوئے تفکرات دماغ پر حاوی ہیں اور زندگی کی جنبشِ پیہم کے ہاتھوں ناچار روح پر افسردگی طاری۔

فضا پر ملکۂ خواب کی حکومت ہے اور دہر پر افسونِ شب کا سکہ۔

لیکن میں خاموش ہوں، مغموم اور غیر مطمئن — !
آنکھیں گہر آلود صبح کی طرح تر ہیں اور قلب دنیائے تصور میں تیرتا ہوا

معبود! یہ حیات کی بڑھتی ہوئی بےخستگی! یہ بیچارگی کے آنسوؤں کا مرکب خستگی۔

وقت

کتنا تیز رفتار ہے اور کیسا سبک پا!

خاصکر لمحاتِ مسرت! جو اک کیف آفریں جھونکے کی طرح
گزر جاتے ہیں پھر لوٹ کر نہ آنے کے لئے۔
اور وہ خوشگوار ساعتیں! جن کی محض یاد ہی مقصدِ حیات
ہو کر رہ جاتی ہے۔ فضاؤں میں پراگندہ ہو جاتی ہیں اور پھول
کی منتشر پتیوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوجھل۔
کتنی بے ثبات ہیں وہ گھڑیاں! جو موسمِ بہار کے شباب
کی طرح ختم ہو جاتی ہیں کسی لطیف خواب کی طرح! جو دیکھتے ہی
دیکھتے تاریکیوں میں پرواز کر جائے۔ اللہ! وقت کیا ناپائیدار
ہے اور کس قدر جلد گزرنے والا۔
لیکن یہ رنج و پریشانی کی گھڑیاں! یہ ختم نہ ہونے
والی گھڑیاں!! جو اس کی رفتار تھام لیتی ہیں۔
اس وقت وقت سست رفتار ہو جاتا ہے اور دائمی
خیالات الم ناک گہرائیوں میں چکر کاٹتے رہتے ہیں
لیکن اس کے قدموں کی چاپ سے کان آشنا نہیں ہوتے۔
آرزوئیں دم توڑتی رہتی ہیں جیسے فسردوری میں
درختوں سے پتے ٹوٹ ٹوٹ کر گرا کرتے ہیں۔
لیکن وقت! ظالم و جابر وقت! اسے جنبش تک

نہیں ہوتی۔

اور اشکبار آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے رہتے ہیں لیکن
وقت اپنی جگہ پر ساکت ہے اور صامت۔

اسی طرح عرصۂ حیات پورا ہو جاتا ہے۔ ازمنۂ ماضیہ اور
گزری ہوئی دلچسپیوں کی یاد اور مسرت رفتہ کی تلاش ناکام ہی سا
دل افسردگیوں میں تیرتا رہتا ہے اور روح گم کردہ راہ
پرندے کی طرح سہمی سہمی۔

لیکن وہ لمحات بہجت! وہ لوٹ کر کبھی واپس نہیں
آتے اور نہ ہی رنج و غم کی طویل گھڑیاں جلد ختم ہوتی ہیں۔

آہ وقت! بے قرار ہوتے ہوئے بھی برقرار وقت
سراب آسا و قایم وقت! اس کی ایک ایک جنبش کیسی کیسی
فتنہ سامانیوں کی حامل ہے اور مخزن انقلابات!

دل کا کنول

بہار کی وہ پر کیف اور چمکیلی صبح! فضا نکھری ہوئی تھی
اور ماحول تابناک!! طلوع ہوتے ہوئے آفتاب کا عکس جمیل

کے پانی پر ناچ رہا تھا۔ ہوا کے جھونکوں کی مسلسل چھیڑ سے پتوں پر
لرزش طاری تھی اور ذرے ذرے سے آثارِ بیداری ہویدا۔

ایسے رنج پرور سمے میں معصوم کلیاں پھول بن رہی تھیں
بہارِ حیات سے لطف اندوز ہونے کو بے قرار تھیں اور مسرت
عارضی کے لئے دنیا و مافیہا سے بے خبر۔

خوفِ گلچیں سے بے نیاز، غمِ صرصر سے بے پروا اور
دستبردِ خزاں سے ناآشنا۔

ان کے ننھے ننھے قلوب پر تو حصارِ شادمانی تھا اور
ہاں مسرت و بہجت .... لیکن کلیاں کھلی تو تھیں
خواہ لمحاتِ محدود کے لئے ہی سہی۔

ننھی ننھی حسین کلیاں شاد شاد تو تھیں خواہ وہ مسرت
عارضی اور سراب آسا ہی کیوں نہ تھی۔

لیکن وہ محرومِ آرزو اور ناکامِ تمنا کیا کرے جس کے
قلبِ حزیں پر دائمی خزاں کا غلبہ ہو اور حیات نذرِ حرمان و یاس
ہو، جیسے غنچے کی طرح چپ چپا ہو اور اس
پھول کی طرح مرجھایا ہوا جسے کبھی بارش کا چھینٹا تک نہ پڑا ہو۔
جب آفتاب کی درخشانی مدھم پڑتے پڑتے معدوم

ہو جاتی ہے سفید سفید بادل روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھرتے ہیں اور ماہِ تاباں کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی کوہسار پر پھیل جاتی ہے

تو کائنات بھی خلد آسا اور رنگین بن جاتی ہے۔

عالمِ خواب جیسی جمیل اور نغمہ کی طرح لطیف۔

اس وقت ہر چہار طرف اک عالمِ کیف و سرور چھا جاتا ہے۔ زندگی زرّیں خواب دیکھنے میں محو ہو جاتی ہے اور روح کسی جگمگاتی ہوئی دنیا میں آوارہ خرام۔

لیکن وہ مایوس تمنا دل۔ اسے تو زندگی کی بڑی سے بڑی فصلِ بہار بھی نہیں کھلا سکتی۔

اس کے لئے تو ہر آنے والی شب ظلمت بداماں ہے اور ہر درخشاں سحر حاملِ پژمردگی۔

چمپا کھلا، گلاب کھلا، موتیا کھلا — دل کا کنول نہ تجھ سے مگر اے صبا کھلا

اگر موت نہ ہوتی

کہتے ہیں کہ موت خونخوار ہے۔ بپھرے ہوئے سمندر سے بڑھ کر ستمگر۔ صیاد سے زیادہ ظالم اور مفلسی کے آنسوؤں سے کہیں سرد

اس کا تصور دہشتناک ہے قلب وجگر پہ کپکپی طاری کر دینے والا اور روح کی گہرائیوں کو لرزانے والا۔

اس کے خوفناک پنجے کا محض مس ہی انسانی آرزوؤں کو سرنگوں کر دیتا ہے اس کی ہستی دیوانے کا خواب بن جاتی ہے اور کشاکشِ حیات قصۂ پارینہ! یہ وقت پر حاوی ہے اور زیست پر بھاری قید و بند سے آزاد اور ناآشنائے خزاں و بہار!۔

لیکن اللہ! اگر یہ اس قدر انقلابات کی حامل موت نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

اُف! اسکی عدم موجودگی میں تو نقشۂ کائنات ہی پلٹ کر رہ جاتا اور حیات کی چیرہ دستیوں سے کہیں امان نہ ملتی کیا کہیے کیونکہ زخم ہمیشہ تازہ رہتے۔ بڑھتے بڑھتے ناسور بنتے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں میں آنسو چمکتے رہتے۔ کبھی نہ خشک ہونے کے لیے!

انسانیت محکومِ غلامی ہو جاتی۔ جبر و تشدد کے ہاتھوں نالاں اور حلقہ بگوشِ معصیت!

روح تلاشِ سکون میں بھٹکتی پھرتی اور زندگی کے لئے ہستی خیال یا ابن جاتی۔

کائنات غرقِ خوابِ فراموشی رہتی۔ جذبۂ احساس
سے عاری اور حیات کی لہروں میں فنا کے چھینٹوں کی متلاشی۔
مسکراہٹوں سے حسرتوں کے خون ٹپکتے۔ دہر زندوں
کا وسیع قبرستان بن جاتی اور بڑھتے ہوئے آلام چھلکتی ہوئی
روحوں کو اور بھی چھلکا دیتے۔

لیکن اگر موت پھر کبھی نہ آتی اور نہ آتی !!!!
تو زندگی موت بن جاتی۔ اک مسلسل نوحہ۔ ابدی
لعنت اور دائمی تلخی!

ارمان

آفتاب دھیرے دھیرے غروب ہو رہا ہے جیسے کسی
جسدِ خاکی سے رُک رُک کر روح نکلا کرتی ہے شام کے دھندلے سائے
گہرے ہونے کو ہیں اور جھکی جھکی شاخیں ساکت و صامت!
میری افسردہ آرزوئیں میرے بے شمار ارمان ۔ وہ بھی
ڈوب رہے ہیں کفن آفتاب کے ساتھ ہی لپیٹے جا رہے ہیں۔
آفتاب روزِ دیگر پھر طلوع ہوگا نئی آب و تاب کے ساتھ

لیکن میرے ارمان ؟ آہ ! یہ تو اس طرح کھو کر رہ جائیں گے جیسے برستے ہوئے بادل فضا میں تحلیل ہو جایا کرتے ہیں۔
مہر فروزاں درخشاں ہوگا اور وجہ حیات کائنات !!

لیکن میرے ارمان ۔ میرے بڑھتے ہوئے ارمان ۔ وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو جائیں گے ۔ ابد تک کے لئے شام کے بھورے دھندلکے میں ملفوف ہو کر رہ جائیں گے ۔

گم کردہ راہ مسافر کبھی نہ کبھی تو منزل مقصود پر پہنچ ہی جاتا ہے اور شب کے تاریک سایوں میں پرواز کرتا ہوا پرندہ اپنا مسکن ڈھونڈ لیتا ہے ۔

لیکن میرے ارمان ۔ آہ وہ تو اس طرح فضا میں کھو کر رہ جائیں گے جیسے پراگندہ پنکھڑیاں اور کبھی منتشر ہو جایا کرتی ہیں ۔ وہ صحرا کی ریت کی طرح پریشان ہو جائیں گے اور پردہ تاریکی میں نہاں ۔

زرد رو آفتاب نے آخر دم توڑ ہی دیا اور اس کے ساتھ ہی میرے ارمان ۔ آہ میری معصوم خواہشیں نہ معلوم کہاں روپوش ہو گئیں کہ ع اب جنبشِ نظر میں کوئی داستاں نہیں

؟ ؟ ؟

خزاں کے مرجھائے ہوئے پھولوں کی جگہ غنچہ ہائے نورس نے لے لی سورج مکھی کی سوکھی ہوئی ٹہنیوں میں تازگی آگئی ہے اور سنہری آفتابی کرنیں سبز سبز پتّوں پر جگمگ جگمگ کر رہی ہیں

ہر چہار طرف بہار کا دَور دَورہ ہے اور ذکرِ خزاں افسانۂ پارینہ۔

لیکن اے میرے دل کی کلی! تو کیوں مرجھا کر رہ گئی؟

باغوں کی کلیاں مسکرا مسکرا کر پھول بن رہی ہیں

... قطراتِ شبنم انھیں زندگی کا رس عطا کرتے ہیں

لیکن میری ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو! کیا یہ تیری لب بستہ پنکھڑیوں کو وا کرنے سے بھی معذور ہیں

آسمانی گہرائیوں سے چاند طلوع ہو رہا ہے۔ سفید سفید بادل اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے ہیں اور نیلگوں چادر پر ستارے پھولوں کی طرح کھل رہے ہیں۔

لیکن اے ماہِ آرزو! تو کدھر روپوش ہو گیا۔

ماہِ شب تاب لحہ بہ لحہ بادلوں کی گرفت سے آزاد ہو جاتا

ہے اور ستارے اس کے ارتعاش نور کو جذب کرتے ہیں
لیکن کیا تو خوشیوں کے آسمان پر بھی نہیں جگمگائے گا۔ کیا
تیرے حسن کے پرتو سے میرا مایوس دل محروم ہی رہے گا؟
سوکھی ہوئی کھیتیوں کو ابر رحمت نے شاداب کر دیا
کائنات پر نکھار ہے اور ماحول میں شگفتگی۔
اے میرے ارمانوں کی کھیتی! تو کیوں نہیں لہلہاتی؟
ہر قطرۂ بارش اعجازِ مسیحا بن کر آتا ہے۔ چپہ چپہ سرسبز
ہے اور ذرّہ ذرّہ گلرنگ۔
لیکن کیا تو کبھی بارانِ مسرت سے سیراب نہ ہو سکیگی
بہارِ زندگی بھی کبھی تجھ پر اثر انداز نہ ہوگی۔

تجسّس

آج پھر کسی مخفی الم نے مجھے بے قرار کر دیا۔ معبود! وہ
کون سی کھوئی ہوئی آرزو ہے۔ جس کی جستجو میری دنیائے سکوں
کو زیرو زبر کر رہی ہے۔ وہ کون سی گمشدہ شے ہے جس کی
مجھے اس حد تک تلاش ہے

اس نامعلوم چیز کو کلیوں کے تبسم میں تلاش کیا لیکن بے سود ستاروں کی درخشانی میں ڈھونڈا مگر بے کار! آہ وہ تو عندلیب خوش الحان کے نغموں میں بھی نہ مل سکی۔

اس وسیع دنیا کے گنج گنج اور روش روش میں کہیں نہیں وہ لازمۂ حیات۔ وہ عجوبۂ روزگار چیز کہیں نہیں۔

نوشگفتہ کلیوں کے تبسم، نسیم سحر کے جھونکوں اور آبشاروں کی ترنم ریزی میں اُسے تلاش کیا لیکن لاحاصل اور میری ہر بڑھتی ہوئی سعی، سعیٔ ناکام ہو کر رہ گئی۔

تو معبود! وہ نامعلوم آرزو کون سی ہے جسے میں خود نہیں جانتی لیکن جس کے نہ ہونے کے احساس سے اس قدر ہراساں ہوں اور ہر لمحہ متوحش۔

آہ! اک خلش بے پایاں ہے جو روح کو خاکستر کر رہی ہے اور قلب و جگر کو ٹکڑے ٹکڑے۔

میری ہستی کا ساز اس طرح جھنجھنا رہا ہے جیسے فضا میں کوئی نغمہ منڈلا رہا ہو اور زندگی اک اندھے کنوئیں کی طرح تشنۂ آب ہے جو قطرے قطرے کو ترس رہا ہو۔

مقدس داور! مجھے تو اسی نغمے کی تلاش ہے۔ اُسی

آرزو کے بر آنے کی آرزو ہے اور اسی مخفی شے کا تجسس! جسے میں خود بھی نہیں جانتی لیکن پھر بھی جاننے کے لئے بے تاب ہوں اور سیماب وار بیقرار۔

شام

غروب ہوتا ہوا آفتاب شفق کی گہرائیوں میں نہاں ہو گیا اس کی تھرتھراتی ہوئی کرنیں شام کے دھندلکے میں جذب ہو چکی ہیں اور تیرگی بردوش فضا سکون طراز ہے۔

دن بھر کی تھکی ماندی کائنات گہرے گہرے سانس لے رہی ہے۔ زمین کے وسیع سینے پر درختوں کے سائے لرزاں ہیں اور ہوا میں غیر مرئی روحیں رقصاں! اس کے سوا نہ ساز حیات کا کوئی گونجتا ہوا نغمہ ہے اور نہ آسمان پر آوارہ پرندوں کی قطاریں۔

شورش بزم جہاں معدوم ہے اور شام کی تاریکی ہر لحظہ بڑھتی ہوئی تاریکی سے ہر ذرۂ دہر مغموم۔

کبھی کبھی کوئی پتہ شاخ سے ٹوٹ کر گر جاتا ہے یا سرخی شفق سے تابناک لالہ گوں ابر ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں جیسے دامان

الم سے قلبِ تپاں کے ٹکڑے جھلک رہے ہوں۔

اس کے علاوہ خاموشئ مسلسل ہے سکوتِ پیہم اور فضا میں تحلیل ہوتی ہوئی تاریکی۔

دور سے دھیرے دھیرے بہتے ہوئے سمندر کی آواز آرہی ہے۔ جھاڑیوں میں جھینگر سرگرم فغاں ہیں اور آسماں پر اکّے دکّے ستارے نمایاں! جیسے کسی مغموم دوشیزہ کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے ہوں۔

اس کے سوا سرسراتی ہوئی ہوا ساکت ہے تھکی ہوئی شاخیں خاموش اور معصوم کلیاں خوابیدہ!

زندگی کے بڑھتے ہوئے ہنگامے غرقِ خاموشی ہیں اور کشاکشِ حیات روزِ دیگر پر ملتوی

تلاشِ سکون

میرے معبود! میں حیاتِ فانی کی بڑھتی ہوئی شوریدگی سے گھبرا گئی ہوں۔ اس کی لامتناہی کشاکشوں سے پریشان ہو رہی ہوں اور مسلسل ہنگامہ خیزیوں سے آشفتہ!

میرے مالک! مجھے اس متبرک و درخشاں وادی کی تلاش ہے جو ستاروں سے آگے آباد ہے اور شورش ہائے جہاں سے بے نیاز۔

آہ! اگر میں صرف وہاں پہنچ جاؤں۔ جہاں کا ماحول روح آسا ہے اور منظر نشاط آگیں۔ جہاں کی فضائیں حوروں کے معطر گیسوؤں سے مشک بیز ہیں اور ہوائیں فرشتوں کے والہانہ راگوں سے اٹھلاتی ہوئی۔

کاش! میری رسائی اس وادیٔ تخیل تک ہو سکتی جہاں کی ہر چیز جاودانی ہے۔ حیاتِ فانی کی مقابل آرائیوں سے مبرا اور یہاں کے دلدوز واقعات سے بے بہرہ۔

جہاں آفتاب کا روشن چہرہ کبھی زرد نہیں ہوتا اور نہ ماہتاب پرغم کے بادلوں کا حصار ہوتا ہے۔

مجھے اس سرزمینِ سکون کی تلاش ہے جہاں امن ہے اور عافیت، طمانیتِ قلبی ہے اور روحانی مسرت!

اس غیر مرئی وادی میں آرزوئیں دم نہیں توڑا کرتیں نہ ہی ارمان سسکتے رہتے ہیں۔ وہاں تمناؤں کا خون نہیں ہوتا اور نہ ہی حسرتیں شرمندۂ تکمیل رہتی ہیں۔

مقدس داور! مجھے اس سرزمینِ خواب تک پہنچا دے

جو دہر کے افکار و حوادث سے دُور ہے۔ بہت دُور! جہاں
تلخیٔ حیات کا احساس ہی نہیں ہوتا اور نہ فکرِ فردا متوحش کر دیتا ہے
سکون! وجہ طمانیت قلبی و مخزنِ مسرت انسان
مجھے تیری تلاش ہے اور تا حدِّ امکان جستجو!

دعائیں

مقدس معبود! میری یہ آرزو نہیں ہے کہ تو میری
ہر جا و بیجا خواہش کو پورا کر دے۔ خود کردہ غلطیوں پر پشیمان
ہونے میں مجھے عار نہیں کیونکہ میں ان کی سزاوار ہوں لیکن
تو مجھے فراموش نہ کر۔ ورنہ اس وسیع کائنات میں میرا کہیں
ٹھکانا نہیں رہیگا اور نہ کوئی جائے پناہ۔

داور! میں نہیں چاہتی کہ حیات کی ہر لمحہ ترقی پذیر
تکالیف سے تو مجھے بچا تا رہ کیونکہ زندگی تو نام ہی اک مجموعۂ حوادث
کا ہے۔ جس دل میں ان سے پنپنے کی آرزو نہیں۔ وہ دل نہیں
بگل ہے۔ اِک تودۂ خاک اور بے حس و حرکت آلہ! لیکن تو مجھ سے
ناراض نہ ہو ورنہ میری ناچیز ہستی تیری بے پناہ خفگی کی متحمل نہ

ہو کر چور چور ہو جائے گی اور اپنے آپ سے بیزار۔

میری یہ خواہش نہیں ہے کہ اس تیرہ و تار دہر سے نکل کر عالم لاہوت میں پہنچ جاؤں اور وہاں کے تقدس مآب ماحول سے اپنی روح کو جلا دوں لیکن اس پُر فریب دنیا میں رہتے ہوئے بھی تو مجھے یہاں کی آلائشوں سے دور رکھ اور اپنے مقدس دامن میں پناہ دے۔

آہ! میں اس قید حیات میں "بند غم" سے نجات نہیں پا سکتی کیونکہ یہ خلاف فطرت ہے اور میری قدرت سے بڑھکر لیکن اس امر کی متمنی ضرور ہوں کہ تو مجھے ہمت دے اور استقلال تاکہ میں پامردی سے اس کا مقابلہ کر سکوں۔ زندگی کی بڑھتی ہوئی جد و جہد سے نپٹ سکوں۔

خدا! میں دنیا کی آفتوں سے نچنت رہوں اور یہاں کے مصائب سے بے پروا۔ اگر مجھے صرف اس بات کا یقین ہو جائے کہ میں تیرے مقدس سایۂ عافیت میں ہوں مجھے ہر مصیبت راحت نظر آئے اور ہر تکلیف امرت! اگر تو مجھ سے ہمیشہ راضی رہے اور مائل بہ رحم و کرم۔

کیونکہ میری مثال تو اس گم کردہ راہ مسافر کی سی ہے جو

کائنات کے اک کنجِ تاریک میں بھی لذتِ وطن حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ اُسے اس امر کا بھی یقین ہو کہ کبھی نہ کبھی منزلِ مقصود پر بھی پہنچ جائے گا:

مقدس داور! راحم آقا!! تو مجھے اپنی لا بنی شمعی انگلی سے راہِ راست دکھاتا رہ۔ یہی میری دعا ہے اور زندگی کی سب سے بڑی آرزو!

کششِ وطن

گھنے جنگلوں میں بھٹکتا ہوا مسافر وطن پہنچنے کے لئے بے تاب ہوتا ہے اور اس سے وابستہ اشیاء دیکھنے کے لئے بیقرار طائرانِ خوش الحان کے نغمے اسے کچھ دیر کے لئے مسرور کر دیتے ہیں اور ذرات پر رقصاں کرنیں مبہوت۔

ڈوبتے ہوئے تارے اسے وطن کی شبہائے رنگیں کی یاد دلاتے ہیں اور چاند کی لہروں میں نغموں کا گداز بھولے ہوئے افسانے اور ان سب سے بڑھ کر شیریں ہوتا ہے اس آواز کا تصور جو اُس کی واپسی پر کلمۂ خوش آمدی سے خیر مقدم کرے گی۔

وہ شاداب سبزہ زاروں سے گزرتا ہے بسیمیں ندیوں کے والہانہ راگ سنتا ہے اور سرسراتے ہوئے جھونکوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

شبنم کے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی فضا کسی مخفی احساس سے کپکپا دیتی ہے اور آخرِ شب کی خاموشی کچھ پیغام دیتی معلوم ہوتی ہے

لیکن کیسا بہترین ہے وہ تخیّل جس میں وطن کی چراگاہوں سے لوٹتی ہوئی بھیڑوں کی گھنٹی کی صدا سنائی دے۔ وہ پُر کیف صدا! جو اک دلفریب راگنی سے بڑھ کر پُرکشش ہے اور نغماتِ چنگ و رباب سے بڑھ کر روح پرور!

وہ حسین و کیف آفریں مناظر دیکھتا ہے بکھری ہوئی فضا میں تیرتا ہوا چاند، جاذبِ نظر ہوتا ہے اور مسکراتے ہوئے تارے قابلِ توجّہ۔

لیکن اے جذبۂ شوق! تو کس قدر تیز تر ہو جاتا ہے اور قلبِ مضطر کی دھڑکن ترقی پذیر! جب دور سے وطن کے پرانے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ اُس وقت اس کی بوسیدہ سی دیواروں پر دولت کونین نثار کرنے کو جی چاہتا ہے اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو دیکھ کر روح شگفتہ ہو جاتی ہے جیسے صبح کی

ٹھنڈی ہوا سے گلاب کی کلی کھل جائے۔

وطن کا گنج گنج باغِ عدن سے بڑھ کر ہے اور ہر تودۂ

خاک اِک دیوتا سے کہیں تقدس مآب۔

اِس کی فضاؤں میں کیف و سرور ہے اور

ذرّات میں انبساط و خواب۔

کوئل!

بہار کی وہ شگفتہ اور درخشاں صبح! جب میں نے پہلی مرتبہ تیری آواز سُنی۔ سُریلی اور دلکش آواز۔ جسے سُنکر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کو بہار کی دیوی ربطِ محبت پر کوئی سُہانا سا گیت گا رہی ہے روح کی گہرائیوں کو جھنجھنا دینے والا گیت۔

جس کی کیف آفرینی سے متاثر ہو کر اہلِ دہر بیخود ہیں اور دہر سرشار

تیرا وہ بہار کی خوشی میں گایا ہوا گیت! موسیقی کا بہتا ہوا دریا!! اب بھی عالمِ تصور میں مجھے ہر وقت سُنائی دیتا رہتا ہے اور پھر وہ خزاں کی افسردہ سہ پہر! جیتے بہار کے

غم میں زرد زرد تھے اور ڈالیاں بے جان و سرد! ہوا کے جھونکوں کی
سرسراہٹ سے بڑھتا ہوا الم عیاں تھا اور عندلیبِ شیدا کی آنکھوں سے آنسو رواں
لیکن تو اے عروسِ بہار! اس وقت بھی گرد و پیش سے بیخبر
تھی اور بیگانہ از ماحولِ خزاں! کیونکہ تیری سُریلی آوازمیں کوئی تبدیلی
نہ تھی اور نہ اس دلکش نغمہ میں کچھ عنصرِ غم۔

مسرورِ روح! کیا حقیقت میں تیرے تخیّل کی وادیاں ایسی ہی
روشن ہیں اور حد سے بڑھ کر دلفریب! جنھیں نہ خوفِ صرصر ہے اور
نہ اندیشۂ خزاں! کیا ان میں ہمیشہ بہار کا ہی دور دورہ رہتا ہے اور
غنچہ ہائے نوشگفتہ کبھی پژمردہ نہیں ہوتے۔

اے حسین دیوی! تو عرصۂ دراز سے میرے خیالوں کا مرکز
بنی ہوئی ہے کیونکہ تیری ہی وجہ سے میں ان سماوی وادیوں کی سیر
کرسکتی ہوں اور دنیائے سفلی میں رہتے ہوئے بھی عالمِ علوی کا اندازہ۔

کاش! اے کاش!! میں تیری طرح تفکّراتِ دہر سے
کبھی دوچار نہ ہوسکتی اور یہاں کی کلفتوں۔ لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر کلفتوں سے
بے نیاز رہتی۔

اور اے ننھی سی ملکۂ موسیقی! تیرے روح افزا نغمات سے
اپنے تصوّرات کو جِلا دیتی۔ انھیں الف لیلا کے سے افسانوں کا روپ

پہنا سکتی اور خوابوں کے جزیروں پر ہلکی ہلکی پھوار کی صورت میں برسایا کرتی ——————

نغمے

بربطِ حیات کے پُرسکوت تاروں سے ایک نغمہ بلند ہوا۔ دلفریب اور روح پرور نغمہ! جیسے صبح کے وقت کسی مندر کی گھنٹی بج اٹھے یا اُفق پر اڑتے ہوئے حسین فرشتے کے پر پھڑپھڑا رہے ہوں۔

زندگی کی خاموش اور ساکن فضا میں ارتعاش پیدا ہوگیا۔ روح کی گہرائیوں میں جنبش اور قلب وجگر میں لرزش

لیکن آہ! یہ لرزتا ہوا نغمہ!! یہ تو جلد ہی اس حسین سنگریزے کی طرح کھو گیا جو سمندر کے گہرے نیلے پانیوں میں غائب از نظر ہو جاتا ہے۔ یاس و ناامیدی کی گہری خاموشی میں نہ معلوم کب اور کس طرح ساکت ہوگیا۔

اللہ! بربطِ حیات اور اس کے فانی نغمے! جو خود بخود جھنجھنا اٹھتے ہیں۔ فضا کی وسعتوں میں پھیل جاتے ہیں لیکن پوری طرح منتشر ہونے سے پہلے ہی پُرسکوت۔

جیسے قدرت ایک دلکش نغمہ چھیڑتی ہے اور پھر سُر کو پورا کئے بغیر ساز کو توڑ کر پھینک دیتی ہے۔

اس میں کیا راز مضمر ہے مقدّس معبود! اس لرزاں سوزاں بربطِ حیات اور اُس کے ٹوٹے ہوئے نغموں میں جو اس طرح دم توڑ دیتے ہیں جیسے خزاں کی دوپہر کو درختوں کے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے ہوئے پتے۔

کہیں یہ افسانوی کیفیت ملی ہوئی فضاؤں میں تو پرواز نہیں کر جاتے۔ عمر خیام کی طرح پُرانی یادوں کو تو نہیں ڈھونڈتے پھرتے یا کسی کھوئی ہوئی آرزو کے لئے سرگرم جستجو ہیں۔

یہ نغمے!!! بربطِ حیات کے مرتعش و متزلزل نغمے۔

بہارِ خزاں رسیدہ

بہار حسبِ معمول سر آرائے دہر ہے مع اپنی جملہ شادابی و مسرتِ بیکراں کے ہر صبح بکھرتی ہوئی کرنیں کائنات کے لطیف رازوں سے آگاہ کرتی ہے اور شب کی ماہتابی شعاعیں رموزِ حیات سے واقف۔

پھول متبسم ہیں۔ کلیاں خنداں اور غنچے متفحر۔ جیسے قدرت نے کوئی دلکش نغمہ چھیڑ دیا ہو۔ کیف سرمدی اور سرور جاودانی عطا کرنے والا نغمہ۔

لیکن آہ! کہ مجھ پر یہ فردوسی ماحول بھی اثرانداز ہونے سے معذور ہے۔ اس کی بڑھتی ہوئی دلفریبیاں بھی مجھے مفتوں نہیں کر سکتیں۔ کائنات سرشار ہے اور دہر مدہوش لیکن میرا دل گہرے الم سے ہم آغوش۔

چپّہ چپّہ پر سبزہ لہلہا رہا ہے اور ذرّے ذرّے پر نکھار ہے۔ بھونرے رقص کناں ہیں اور تتلیاں محوِ طواف۔ ڈالیوں پر شوخی طاری ہے اور عندلیب خوشنوا کے لبوں پر کلماتِ شکر جاری۔

لیکن آہ میں! کہ میرے لمحوں پر یہ خوشگوار ماحول اُداسی بن کے چھا رہا ہے۔ دل افسردگی کی گہرائیوں میں غرق غرق ہے اور تصوّرات پر کوئی مخفی الم حاوی۔

نسیم کے جھونکوں سے اشجار کی نرم شاخیں جھوم رہی ہیں۔ ہری ہری بیلیں سانپوں کی طرح بل کھاتی ہیں اور کائنات حسن بن صباح کی روایتی جنّت کا منظر پیشِ نظر کرتی ہے

لیکن میں غروبِ آفتاب کی آخری کرن کی طرح لرزاں

ہوں اور اس اُداس پرندے کی طرح سہمی ہوئی جسے بارش کے تیز و تُند
جھونکوں نے پرواز کے قابل نہ چھوڑا ہو
یہ بہار! اُف یہ بہار!! تو ازمنۂ ماضیہ کی یاد لے کر آئی ہے
اور کسی سوزِ دروں کی کسک بن کر قلب پر چھائی ہے۔
یہ بے نیازیٔ تقدیر کا مرقّع ہے اور ستم ظریفیٔ فطرت کی تصویر
یہ بہار! یہ خزاں رسیدہ بہار!!

کون؟

شفق کی دلفریبی کا حامل کون ہے؟ ننھّے ننھّے معصوم غنچوں
میں دلکشی کہاں سے آگئی؟؟ اور کائنات کی وسعتوں میں آفتابی
شعاعیں بکھیر کر اُسے دل فریب کس نے بنا دیا؟؟؟ یہ ننھّی سی
معصوم عندلیب اُگلی کی صورت کی پرستار!! اس کی آواز میں
سوز کون کوٹ کوٹ کر بھر دیتا ہے اور اپنے ہی نغموں پر سائل اشک ریز
شب کی تاریکی میں فضاؤں کو غرقِ بیہوشی کون کر دیتا ہے؟ اور
اٹھلاتے ہوئے جھونکوں کو ساکت و ندامت۔
ستاروں کا درماندہ قافلہ اندوہ فزا خاموش کیوں نظر

آتا ہے اور چاند کی لہروں میں نغموں کا گداز کس نے پیدا کر دیا۔

جب آخری شعاعِ آفتاب، کائنات کو الوداع کہنے لگتی ہے تو کون اس پر کچی پکی رنگینیاں بکھیر دیتا ہے اور گزری ہوئی ساعتوں کو پھول کی منتشر پنکھڑیوں کی طرح پراگندہ کس نے کر دیا؟

وہ کون ہے جو تیرگی بردوش فضا میں پُر اثر نغمے چھیڑے ہوئے ہے اور دہر کے سال خوردہ چہرے پر ہر لمحہ نئی شکن ڈال دیتا ہے۔

شبنم کو رشکِ آفتاب کس نے بنا دیا؟ اور سیمیں اٹھرتی موجوں کو اپنے خرامِ ناز پر نازاں۔

کائنات کی بڑھتی ہوئی تاریکی کو درخشانی صبح میں کس نے تبدیل کر دیا اور مرتعش بربطِ دل پر نت نئے نغمے کون چھیڑے رہتا ہے۔ وہ کون ہے؟ آہ وہ کون ہے؟؟ جو اپنی سعیٔ پیہم سے نبضِ فطرت روکے ہوئے ہے۔

کس لئے

نناسے و لطیف ہوائیں خوابیدہ غنچوں کو جگا رہی تھیں

چمیلی کی سفید سفید نازک کلیوں کی پنکھڑیاں کھول رہی تھیں اور حسین پھولوں سے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

ننھے ننھے سیاہ بھونرے ان کے گردِ محوِ طواف تھے اور دنیائے سرمدی کی مقدس روحیں معصوم معصوم تتلیاں بیتابی سے چکر کاٹ رہی تھیں

معبودِ مقدس معبود! مجھے حیرت ہے اور سخت تعجب کہ ذی روح بھونرے بے روح گلوں پر تصدق ہوتے ہیں اور تتلیاں پروانہ وار قربان۔

ایسا کیوں ہوتا ہے اور کس لئے؟ محبت کی اس خاموش تخلیق میں تیرا کیا راز مضمر ہے؟

سر بفلک کشیدہ پہاڑ حیران حیران نگاہوں سے آسمان کو تکتے رہتے ہیں نہ معلوم کس آرزو میں صدیوں سر اٹھائے کھڑے رہتے ہیں کہ سیکڑوں خزائیں بہاروں میں تبدیل ہوجاتی ہیں لیکن ان کے پائے ثبات کو جنبش تک نہیں۔

لیکن آسمان! بے مہر و بے پروا آسمان! کبھی ان پر مہربان ہی نہیں ہوتا۔ بھولے سے بھی ان کی وارفتگی کی وجہ دریافت نہیں کرتا۔

داور! کیا پہاڑ اور آسمان میں بھی راز دنیا نہ پوشیدہ ہیں جن کی تہہ تک پہنچنے سے میں معذور ہوں اور مجبورِ محض!

ان بظاہر جذبات سے عاری چیزوں میں بھی وہی جذبات موجزن ہیں۔ وہی جذباتِ مہر و حرارت! ایسا کیوں ہے؟ ۔ اور کس لئے؟ مقدس خالق! مجھے بھی اس پوشیدہ بھید سے واقف کرا دے میں دیکھتی رہتی ہوں کہ "بحیرۂ عرب" سے بڑی بڑی موجیں اٹھتی ہیں غضب ناک اور بے قرار موجیں۔ لیکن چھوٹی لہروں سے ملتے ہی بیک ثانیہ فنا ہو جاتی ہیں اور اپنے مقصدِ عظیم کو بھول کر ہمجنسوں کا ساتھ دینے کو تیار۔

یہ سب کیوں ہے اور کس لئے؟ امواج بحر کی ان حرکتوں میں کیا نشاطِ زندگی پوشیدہ ہے جس سے ان کے شرارِ دل کو تابندگی ہے۔

غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی بادلوں پر گمشدگی طاری ہو جاتی ہے۔ وہ خرد و حواس سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ سے بیزار! دامنِ شفق ان کے خونِ قلب سے گلنار ہو جاتا ہے اور کائنات کی درخشانی پیہم آہوں سے لالہ زار۔

تاوقتیکہ طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی ان کی کھوئی ہوئی طمانیت بھی مل جاتی ہے۔ آفتاب انھیں اپنے سینے سے لگا کر پیار کرتا ہے اور مسحور رقص کر کرکے اپنے جذبات کا اظہار۔

میرے خدا۔ پاک خدا!! ان بے حس اشیا کو بھی آپس میں کس قدر الفت ہے۔ وہ کس لئے؟ ایک دوسرے کی اتنی مشتاق ہیں۔ میں جویائے راز ہوں مگر اتنا بھی نہیں جان سکتی۔ کیا تیری کائنات ہی مشتمل بر معصوم محبت ہے جس کے راگ موجیں الاپتی ہیں۔ بھونرے زبانِ بے زبانی میں گاتے ہیں اور تتلیاں سرسراسر سرا کر سناتی ہیں۔

عندلیب کی غمگین صدا اور کوئل کے حساس سینے میں بھی یہی پوشیدہ ہے تو پھر یہ دلفگار اور سینہ چاک کیوں ہیں ان پر پرستش جاودانی کا جذبہ کس لئے طاری نہیں ہوجاتا جس کی نہ انتہا ہے اور نہ کچھ زوال۔

معبود! مجھ ایسی نادان کو جو محض انجان ہے ان اسرارِ نہاں سے آگاہ فرما۔ ان رموزِ پنہاں سے واقف کر تاکہ جویائے رازِ روح کو سکون حاصل ہوسکے اور قلبِ متجسس کو طمانیت۔

غروب آفتاب

دن بھر کا تھکا ماندہ آفتاب پردۂ افق میں نہاں ہونے کو ہے۔ اس کی آتشیں شعاعیں دن کی تجلیوں کو اپنے دامن میں

سمیٹ رہی ہیں اور شام کے دھندلے دھندلے سائے گہرے ہو رہے ہیں
کبھی کبھی کوئی تیز جھونکا اونچے اونچے درختوں سے ٹکرا
اُٹھتا ہے یا ہوا زخمی جانور کی طرح چلّانے لگتی ہے اس کی مسلسل
چھیڑ چھاڑ سے پتّے لرزاں ہیں اور ڈالیاں جُنباں۔

دِن کی سُست سُست نبض اب ساکت ہونے کو ہے
اونچے اونچے پہاڑوں کی نشیبی دیواروں پر تاریکی چھا گئی اور دھندلی
دھندلی پرچھائیاں سی فضا پر منڈلا رہی ہیں جیسے غیر مرئی روحیں
چل پھر رہی ہوں۔

تاریکی لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر ہے اس کے ساتھ ہی سمندر کی آہ و
بُکا بھی زمین پر سے گزرتی ہے جیسے کوئی بھٹکی ہوئی روح فضا
میں سسکیاں لے رہی ہو۔

کائنات نیند کے خمار میں لپٹتی جا رہی ہے اُس کے
ذرّے ذرّے سے بڑھتی ہوئی افسردگی جاری ہے اور موت کا سا
سکون عیاں۔

تیز رَو ندّیوں کی رفتار تھم گئی بادل ہلکے اور دھندلے
نظر آ رہے ہیں اُس لہر کی طرح جو خود بخود اپنی روانی سے علیحدہ ہو گئی ہو
آفتاب کی جُدائی کے الم میں دہر سیاہ پوش ہے۔

اور آنکھیں رنگین مناظرِ قدرت سے محروم ! اس بڑھتی ہوئی تاریکی
میں ہزارہا آسیبی صورتیں نمودار ہوتی ہیں اور شبِ دیجور کی سیاہی میں
غائب از نظر۔

دہر اپنی درخشانی کھوکر افسردہ ہے اور مایوس۔ اُس کے
لمحاتِ شب میں اُداسی جذب ہوکر رہ گئی ہے اور فضا میں ایک
مہیب سا خوف سانس لے رہا ہے جیسے سینکڑوں شیاطین
مصروفِ گلگشت ہوں۔

آخر کیا ہے

اِک ننھی سی آرزو اور بےضرر خواہش کیا ہے؟ جس کے
بر آنے کی اُمید میں زندگی بیت جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ شرمندۂ
تکمیل رہتی ہے اور پوری ہونے سے عاری

تاریک شب کے دبیز پردے میں اُس کی روشنی نظر آتی ہے،
لیکن اوّلین شعاعِ آفتاب کے ساتھ ہی زائل ہوجانے کے لئے
شام کی سُرخی میں اُسکی جھلک نظر آتی ہے لیکن رات کی تاریکی میں غائب از نظر
وقت گزرتا جاتا ہے اور اُس کے ساتھ ہی موہوم ہوتی ہوئی

آرزو معدوم!

یہاں تک کہ وہ محض اک خواب بن کر رہ جاتی ہے اور بھولا بسرا افسانہ! اور یہ زندگی، ہر لمحہ ختم ہوتی ہوئی زندگی۔ یہ کیا ہے؟ اک ڈگمگاتی ہوئی کشتی، جو حیات کے بحر ذخار میں بہتی چلی جاتی ہے۔ اک کاہیدہ تنکے کی طرح چکر کاٹتی اور گردش آفاق سے پنپتی۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ وہ ان گہرائیوں میں غرق ہو جاتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناپید!

یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد اس کا نام تک باقی نہیں رہتا۔ زمین اُسے ابد تک کے لئے پوشیدہ کر دیتی ہے اور دہر اپنی نگاہوں سے نہاں!

یہ انجام ہے اُس زندگی کا جسے ہم نیچر کی "اختراع فائقہ" کہتے ہیں اور قدرت کا سب سے بڑا عطیہ۔

اور انسان اشرف المخلوقات ہو کر بھی بے دست و پا انسان!! یہ کیا ہے۔ محض اک طفل نادان اور مرکب ہوا و ہوس اک ذرہ ناچیز ہوتے ہوئے بھی نیچر سے مقابل آرا ہونے کو تیار لیکن ہر لمحہ اُس کی برہمیٔ مزاج کا شکار۔

حیاتِ چند روزہ پر اتراتا ہوا انسان! ہر تمنا کے

بر آنے کے لئے مچلتا ہے۔ ہر ممکن جدّ و جہد کرتا ہے۔ اُسے ماضی
کے دھندلکوں میں مستقبل کے روشن خواب نظر آتے ہیں اور
اُفق کی رنگینیوں میں مسرت بے پایاں۔
لیکن اُس کی ہستی؟ وہ کیا ہے؟ اک دیوانے کا قہقہہ
بے حد طویل اور حقارت آمیز قہقہہ۔ جو نقش بر آب ہے اور
کسی خاص مقصد سے یکسر بے بہرہ

نہ معلوم کیوں؟

نہ معلوم کیوں؟ کوئی مخفی خلش مجھے بے قرار کر رہی ہے
کوئی لامحدود انتشار، روح کی گہرائیوں پہ چھایا جاتا ہے اور کسی
غیر مبہم سے خوف نے قلب کا حصار کر لیا ہے
جب آخری شب کی خاموشی سکوں طراز ہوتی ہے
اور چاند کی لہروں میں نغموں کا گداز
تو نہ معلوم کیوں؟ میرے خیالات شکستہ جہاز کے
تختوں کی طرح چکر کاٹنے لگتے ہیں۔ ماضی و حال کے سمندر میں غوطے
کھاتے ہیں اور مستقبل کے خیالات میں غلطاں و پیچاں۔

یا جب ہوائیں رات کی خاموشیوں میں ڈوب جاتی ہیں اور فضائیں اس کی بے ہوشیوں سے پُر سکوت!

تو میری دنیائے تخیل میں اک ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے غیر معمولی سا ارتعاش! بالکل اسی طرح! جیسے خاموش رباب کے تار ٹوٹ کر اس کے نغموں کو متزلزل کر دیتے ہیں۔

تیرگی بردوش فضا مجھے وحشت زدہ کر دیتی ہے۔ اور جھاڑیوں میں سرگرم فغاں جھینگر کی آواز متوحش۔

تاروں بھرا آسمان اور ماہِ شب تاب کی شوخی بھی اس اثر کو زائل کرنے سے معذور ہے جو میرے قلب کے گوشے گوشے پر غلبہ پا چکا ہے۔

نمناک فضا۔ اُداس ماحول اور شب کی بڑھتی ہوئی سیاہی کے ساتھ ساتھ دلکش راگ۔ چاندنی کا رقص اور جوئبار کا ترنم بھی مجھے افسردہ کر رہا ہے

نہ معلوم کیوں؟ تخیلات کے بہتے ہوئے سمندر میں میری روح ڈوبتی جاتی ہے۔ کسی کھوئی ہوئی شے کے لئے سرگرداں ہو رہی ہے۔ معبود! اسے کون سی باریکیوں کی تلاش ہے۔

صبحِ بارش

وہ صبح! معبود وہ صبح بھی کیسی سرد۔ ہولناک اور افسردہ تھی۔ بارش مسلسل اور بہت زور سے ہو رہی تھی جیسے سینکڑوں نظر نہ آنے والی روحوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہوں۔ ہوا درختوں میں چھُپی چھُپی چل رہی تھی۔ جھونکوں کے راگ پُردرد تھے اور الم ناک جیسے کوئی برباد محبت ملاح الم ناک گیت گا رہا ہو پتے بار بار بُری طرح جنبش کرتے اور جھکی ہوئی شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جاتے۔ فضا میں اک مہیب سا خوف سانس لے رہا تھا اور افسردگی سے روح اس طرح لرزاں تھی جیسے خزاں کے تیز تیز جھونکوں سے کانپتے ہوئے برگ۔

میری حیاتِ شوریدہ بھی دہر کی تیرگیوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اس کی شورش انگیزیوں سے پنپ رہی تھی۔

بارش ہر لمحہ بڑھتی جاتی۔ مطلع تیرہ و تار تھا اور کائنات دھواں دھار! بادل کی گرج روح کو کپکپانے والی تھی اور برفانی جھونکے قلب و دماغ کو منجمد کر دینے والے۔

میری زندگی بھی سیلابِ حوادث سے مقابل آ رہی تھی

طوفانِ زیست سے جدوجہد کی ناکام سعی میں مصروف تھی
زندگی میں ہمیں سیکڑوں بھیگے ہوئے دلوں سے دوچار
ہونا پڑتا ہے افسردہ اور غمناک دلوں سے۔
میرے مالک! بارش کے بعض ایام بھی کیسے یادگار
ہوتے ہیں کس قدر تاریک! اور کتنے ہولناک۔
وہ صبحِ بارش! آہ غمگین یوم!

لرزہ براندام تارو

لرزہ براندام تارو! تم اس قدر آشفتہ خاطر کیوں ہو؟
ملکوتی تبسم کی جگہ کسی قلبی انتشار نے کیوں لے لی۔ آس کے
چھینٹوں پر یاس کی لہریں پڑ گئیں اور شوخیوں پر اُداسی نے غلبہ پالیا
آسمانی گہرائیوں نے تمھارا کوئی جواہر نگل لیا یا
نیلگوں پہنائیوں میں کسی آرزو نے دم توڑ دیا۔
یہ آہوئے صحرا کی سی گُریز پائی اور دریائے الم
میں شناوری کیوں۔
تم عمرِ خیام کی طرح پُرانی یادوں کی تلاش میں سرگرداں

ہو۔ کیا رات کی بیہوشیوں میں تمھارا مطلوب نظر نہیں آتا۔ یا
ڈوبی ہوئی فضاؤں میں مرکزِ آرزو مدفون ہے۔
تمھارے تخیلات کا مخزن۔ بادِ شب تاب! جس کی
لہروں میں نغموں کا گداز سُن سُن کر تم مدہوش ہو جاتے ہو۔
ڈوبتے ڈوبتے تارو! فضائیں افسانوی کیفیت
رلی ہوئی ہے۔ آخرِ شب کی خاموشی سکون طراز ہے اور شبنم کے
آنسوؤں سے بھیگی بھیگی رات۔
ایسے یادگار وقت میں تمھارے کرب والم کی وجہ
کیا ہے؟ کہ جگمگاہٹ لمحہ بہ لمحہ ماند پڑتی جا رہی ہے اور عروسِ شب
کی ردائے عنبریں کی زیبائش کم سے کم تر۔
آخر اس بڑھتی ہوئی افسردگی کی وجہ کیا ہے؟ اور
اس انتشارِ روحانی کا سبب۔ کیا تم بدلتے ہوئے رنگِ آسمان
سے بیزار ہو اور اس کی گردشِ پیہم سے لرزاں!
آشفتہ نوا تارو! قدرت اک دلکش نغمہ چھیڑتی
ہے۔ کیف آفریں و حسین نغمہ!
لیکن پھر اسے پورا کیے بغیر ہی فضا میں بکھرتا
چھوڑ دیتی ہے بغیر کسی خاص وجہ کے۔

دل کی گہرائیوں میں سیکڑوں آرزوئیں پرورش پاتی
رہتی ہیں، کسی خاص موقع پر پائے تکمیل کو پہنچنے کی توقع میں لیکن
اُن کا انجام! آہ!! وہ تو آخر میں اس طرح دم توڑ دیتی ہیں جیسے
فروری میں درختوں کے پتّے ٹوٹ ٹوٹ کر گرا کرتے ہیں

ہر صباحِ نو اِس دہر کی ہر صباحِ نو تو نہ معلوم کس قدر
انقلابات کی حامل ہے اور حوادث کا مجموعہ۔

بہارِ حیات کی انتظاری سے لئے۔ وہ تو ہر وقت فضا
میں متلاطم رہتی ہے خواہ اک المناک نوحہ بن کر یا مدھبر النغمہ۔

تم اندوہ فزا اماموشی کے ساتھ چلے جا رہے ہو
سکوتِ شب میں غرق ہو رہے ہو ـــــ لیکن لرزاں و سوزاں
تارو! آخر اِس قدر بے قراری کیوں؟

کیا ابر آلود مطلع کے بعد آفتاب نہیں چمکتا مع اپنی
جملہ درخشانی اور بھرپوری تابانی کے لئے۔

یا کسی بے رونق صبح کی جگہ۔ سحر بہار نہیں لے لیتی
کیف آلود حسین صبحِ بہار۔

پھر تمھاری روحوں میں یہ ہلکی ہلکی آنچ اور
اس کی تپش کیسی

جس طرح ہر تیرگی کے بعد روشنی اور ہر خزاں کے بعد بہار یقینی ہے اسی طرح تمہاری آہیں بھی قہقہوں میں تبدیل ہو جائیں گی اور حیات نو کی شب طلوع ہو گی۔

کیونکہ ماہتاب از سر نو اُفق مغرب سے ظاہر ہوگا پر شوکت و خوبصورت ماہتاب۔

پھر زمانۂ جدائی محض اک خیال بن جائے گا اور اس کے تفکرات صفحۂ حیات کی بھولی بسری سطور۔

اس لئے لرزہ بر اندام تارہ! اس قدر سوگوار نہ ہو اور نہ اتنے آشفتہ خاطر۔

نو شگفتہ غنچہ

اوّلین شعاع آفتاب نے کوئی مایوس کن پیغام سنایا یا عندلیب کے الوداعی گیتوں سے حسرتوں کا خون ٹپکتا ہے

دہر کی بے ثباتی کے احساس نے تمہیں پژمردہ کر دیا۔ یا فکر فردا لرزاں کر رہا ہے

نو شگفتہ غنچہ! تم پوری طرح کھلنے سے پیشتر ہی

اس قدر زار و زار کیوں ہو رہے ہو۔ اس بڑھتی ہوئی ہیبت
اور افسردگی نہاں کا سبب کیا ہے۔

کہیں گلچیں کی چیرہ دستی کا خوف تو باعثِ تشویش نہیں
ہے یا لمس صرصر میں موت کی قربت نظر آرہی ہے۔

نہیں تو نو دمیدہ غنچو! تم اس قدر بے زار کیوں ہو رہے
ہو اور اپنی ہی ہستی پر خشمناک۔

مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں تمھارے ننھے ننھے معصوم قلوب
منجمد نہ ہو کر رہ جائیں۔

کہیں تم خواب تو نہیں دیکھ رہے تھے۔ میٹھے میٹھے خواب
جن کی تعبیر خیال ہو کر رہ گئی اور تفسیر اک بھولا ہوا افسانہ۔

یہ دہر اور اس کے تودہ ہائے خاک! یہ تو سینکڑوں
داستانیں اپنی گہرائیوں میں پوشیدہ کئے ہوئے ہیں جب
وقت سے پہلے ہی کلیاں کھلا کر خاک ہو گئیں اور آرزوؤں
کے پورا ہونے سے پہلے ہی خاشاک۔

اور ایسے افسانے بھی ساکنانِ چمن کو از بر ہیں جب
تسلّطِ خزاں نے اُن کے مساکن کی ہیئت ہی بدل دی ہو جو
استبداد کے بیدرد پنجوں سے فریضۂ فنا ادا کیا ہو۔

گو حسین و معصوم غنچو! اس قدر دلگیر ہونے سے کیا فائدہ؟
وقت، ظالم و بے مہر وقت!! یہ تو اپنی تختۂ مشق روحوں سے
یہی سلوک کرتا ہے۔ انھیں خون غلطیدہ اور پرشکستہ کر دینے پر
بھی اسے سیری نہیں ہوتی۔

قدرت کی اختراعات فائقہ! جن کی تخلیق پر خود اُسے
بھی ناز ہوگا۔ اس کی کج خلقیوں کے آگے سر نہ اُٹھا سکیں اور
سیکڑوں بڑھتے ہوئے احساسات جھک جھک کر رہ گئے۔

تم اس طرح لرز رہے ہو جیسے فانوس میں کوئی شعلہ کانپا
کرتا ہے مگر اس قدر پریشانی سے کیا ہو سکتا ہے؟

کیا اس سے دہر کے ہر لمحہ ترقی پذیر مصائب رُک
جائیں گے یا یہاں کی پرانی روایات فراموش۔

عرصۂ حیات محدود ہے اور چمن کی ہنگامہ آرائیاں
دلفریب ——— ان زریں لمحات کو تو نسیمِ سحر
کے ہمنوا ہو کر گزار دو۔

———— ※ ————

لمحات

شفق کی سُرخی قریب قریب معدوم ہو چکی تھی شام کے سائے بڑھتے بڑھتے اور بھی گہرے ہو چکے تھے اور دہر میں اک سکوت سا طاری تھا۔ روح کو اُکتا دینے والا سکوت۔

گلاب کے اُجڑے ہوئے تختے پر ایک عندلیب مغموم سی بیٹھی تھی۔ نہ معلوم کن تفکرات میں غلطاں و پیچاں اور بڑھتی ہوئی پیچیدگیوں میں گرفتار۔ شاید خوفِ خزاں سے لرزہ براندام تھی۔

اک ننھی سی چمکیلی کلی سو رہی تھی۔ آغوشِ معصومیت میں محوِ خواب تھی۔ دہر کی تکالیف سے بےخبر اور یہاں کے مصائب سے بے پروا۔

شعاعِ آفتاب نے اُس پر اپنی روشنی ڈالی اور کہا "بیدار ہو اور کائنات کی دلچسپیوں سے لطف اندوز۔"

قطراتِ شبنم نے اُس کا منہ دھو کر کہا "جاگو! کہ چمن کا پتہ پتہ مصروفِ عیش و عشرت ہے اور تمہارا منتظر۔"

ننھی کلی نے یہ کلمات حیرت سے سُنے اور مسکراتے ہوئے بستہ پنکھڑیاں وا کر دیں حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات سے

کاش! اے کاش!! اُسے معلوم ہوتا کہ اس کا پھول بنتا ہی اس کے لئے بادِ سموم بن جائے گا اور سینکڑوں تکالیف کا باعث۔

وہ معصوم اور فرشتہ صفت لڑکی رو رہی تھی کہ اُسکی ایک آرزو۔ محض بے ضرر سی آرزو بھی پوری نہ ہو سکی۔ وہ بے قرار تھی اور افسردہ! نرگسی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو اُس کے اضطراب کے شاہد تھے اور شگفتگی کی غیر موجودگی پژمردگی کا نتیجہ

اُسے شاید معلوم نہیں تھا کہ زندگی کے حسین خواب اسی طرح شرمندۂ تعبیر رہ جاتے ہیں اور دلآویز تصوّرات اک حدِّ معیّن تک مجتمع۔

نیند

شب کی خاموشی سکوں طراز ہے۔ فضائیں اس کے سکوت میں ڈوب رہی ہیں اور ہوائیں اُسکی بیہوشیوں میں ہلکی ہلکی شبنم کے آنسوؤں سے بھیگا ہوا ماحول ہے اور تیرگی بردوش فضا۔ تارے خاموش ہیں اور چاند ساکت۔

ایسے پُرسرور وقت میں لوگ راحت کی نیند سو رہے

ہیں بخنت اور بے نیاز فردا محو خواب ہیں۔

مگر آہ! کہ میری پلکیں اب تک نیند کے خوشگوار بوجھ سے نہ جھک سکیں باوجود بصد کوشش و ہزار جانفشانی اب تک خواب سے دور ہی ہیں۔

زندگی کی ناکامیاں کیسی جرعاتِ تلخ سے لبریز ہیں کہ میری دلی راحت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اطمینانِ قلبی خواب ہو گیا اور سکونِ روحانی خیال۔

معبود! دنیا کی ہر چیز خاموشیوں کی آغوش میں سو رہی ہے اور دنیلے سکوت میں کھوئی کھوئی۔ رات کا سناٹا کائنات پر چھا رہا ہے اور تھکی ہوئی شاخیں جھک گئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نبضِ فطرت بھی رک گئی ہو اور وقت کی رفتار بند ہو کر رہ گئی ہے

کاش! کہ ایک لمحے کے لئے میرے مضطرب دل کو بھی چین مل سکتا اور نیند!؟ ناامیدی اور بڑھتے ہوئے افکار سے بچانے والی نیند! کچھ دیر کے لئے عطا ہو سکتی تاکہ اوی دہر کی تلخیاں فراموش ہو جائیں اور مغموم دل ہر درد و حزن سے بے خبر

کوئی مجھ سے میرا معطر تکیہ لے جاتا اور نکروں ابھل دماغ یہ نیلا نیلا سا سرد کمرہ! اور ہار سنگھار کے پھول بھی اور

ان کے بجائے مجھے طمانیتِ روحانی مل جاتی اور سکونِ قلبی! جس کی
راحت آثر لہروں میں، میں ڈوب کر رہ جاتی۔ سراپا غرق ہو جاتی
اور چند لمحات کے لئے شورشہائے دہر سے خالی الذہن۔

صرصر!

خزاں کی وہ اُداس سی رات! کائنات خاموشیوں کے
سمندر میں کھوئی ہوئی تھی۔ فضا ساکت تھی اور ماحول افسردہ
کبھی کبھی کسی جھاڑی سے کوئی پرندہ مہین سی آواز
میں چلا اُٹھتا یا شب بیدار اُلو فلسفے کے کسی نئے پہلو پر اظہار رائے زنی کرنے لگتا
درختوں کے سائے زمین کے سینے پر جناتی ناچ۔ ناچ
رہے تھے اور آسمان پر ستارے کسلمندانہ انداز میں جھلمل جھلمل کر رہے تھے

ایسے وقت میں بادِ صرصر چل رہی تھی جبر و استبداد
کے سرد پنجوں سے دہر کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔
اس کی تیز و تند سرسراہٹ سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
کوئی خبیث روح سسکیاں لے کر رو رہی ہو۔
ننھی سی عندلیب "قاصدِ بہار" جو کبھی اس کی

خوش خرامی سے متاثر ہو کر تعریفی گیت گاتی تھی۔ اب ملول
تھی اور الم رسیدہ۔ گلاب کی سوکھی ہوئی کیاری پر بیٹھی وہ اس
انداز میں رو رہی تھی جیسے اُس کی نرگسی آنکھوں سے غم کا دریا
بہہ نکلا ہو۔

صرصر کے فنا آفریں جھونکوں نے اُس کے پسندیدہ پھولن
تباہ کر دیئے تھے۔ ان کی پنکھڑیاں نہ معلوم کون سی فضاؤں میں
منتشر کر دی تھیں کہ یادگارِ رونقِ محفل تک کا نشان باقی نہ رہا
مخملی سمندری لہریں! جو صبا کے پریشان گیسوؤں سے
آنکھ مچولی کھیلتی تھیں۔ جن کے معصوم قلوب میں اس کی مسلسل
جنبش سے تلاطم برپا رہتا۔ آج چُپ چاپ بیٹھیں اور کسی
خیالی دنیا میں کھوئی کھوئی۔

بے مہر بادِ صرصر! اسے نوشگفتہ غنچوں پر بھی ترس نہیں
آتا جنھیں یہ محض اک اشارے سے خس و خاشاک کی طرح توڑ کر
پھینک دیتی ہے۔ کلیاں اسکے ہاتھوں نالاں ہیں اور پھول بے زار
اس کی بڑھتی ہوئی ستم ظریفی کے ہاتھوں تو فطرت
بھی مجبور رہتی ہے اور زرد زرد لبادے میں ملبوس۔
اسے شاید ہر شے کی بربادی میں لطف آتا ہے اور ہستی

کہ نیستی میں تبدیل کرنے میں طمانیت۔
میں حیران ہوں کہ اسے کیا کہوں ؟ حد سے بڑھ کر
مغرور یا مہربان ۔ بے رحم یا خود ہی الم رسیدہ ۔
کیوں کہ کبھی کبھی اُسے سرد آہیں بھرتے دیکھ کر مجھے
ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ فردوس بریں سے اُتری ہوئی کوئی دیوی
ہے جو بے ثباتیٔ دہر پر اشک ریز ہے اور اپنے مسکن تک پہنچنے
کے لئے بے قرار۔ ہر لمحہ سیماب وار بے تاب ۔
یا شاید کسی صحرا نورد کی روح جسے بعد از موت بھی قرار
نہیں ۔ ہر لمحہ پرواز ہی اُس کے لئے باعثِ اطمینان ہے ۔
شاعر کی دنیائے تخیل کو زیر و زبر کر دینے والی صرصر
اور ظالم ہوتے ہوئے بھی مظلوم !! میں نہیں جانتی کہ تجھے کس نام
سے یاد کروں اور کس چیز سے تشبیہ دوں ۔

کائنات پر گہرا گہرا سکوت چھا رہا ہے ۔ روح کو کپکپا دینے
والا مبہم سکوت !! فضائیں خاموش خاموش ہیں یا دہ ہوئیں خوابیدہ

کبھی کبھی ہوا کا کوئی جھونکا دردناک گیت گاتا ہوا گزر جاتا ہے اس کی آواز شب کے اس سناٹے میں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے سمندر کی موجوں پر کوئی جل پری تیر رہی ہے اور الم ناک گیت گا گا کر کائنات کی دہشت بڑھا رہی ہے۔

میں دن بھر کی مسلسل تگ و دو سے گھبرا چکی ہوں اور چاہتی ہوں کہ ملکۂ خواب کے دامن کی اوٹ میں کچھ دیر کے لئے پناہ گزیں ہو جاؤں۔ دہر کی شورشوں کو خیرباد کہہ دوں اور الجھنوں کو الوداع۔

لیکن وائے برگشتگیٔ طالع! کہ ایسے وقت میں اک پوشیدہ سا خوف مجھ پر حاوی ہے۔ روح کسی بھٹکے ہوئے آہو کی طرح متوحش ہے اور قلب سہما سہما۔ یہ دہرا اور اس کی بڑھتی ہوئی تاریکی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسکن شیاطین ہو کر رہ گئی ہے جس کی فضاؤں میں بھوت رقصاں ہیں اور سرسراتے ہوئے جھونکوں میں چڑیلیں مصروف جدل۔

بڑے بڑے قدآور درخت دیووں کا نقشہ پیش کرتے ہیں اور گھنی گھنی جھاڑیوں پر آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے جنوں کا قیاس ہوتا ہے۔

مجھے اپنی ننھی سی خواب گاہ صحرائے اعظم کا ایک حصّہ
معلوم ہوتی ہے اور بدھ مندروں جیسی اندھیری اس کے کھنڈروں
میں، میں اکیلی بیٹھی لرز رہی ہوں۔ میرا کمزور دل زور زور سے
دھڑک رہا ہے اور خوف حاوی ہر دماغ۔

اس اندھیری رات کو جب کہ دہر کے سالخوردہ چہرے
پر تاریک پردہ پڑا ہوا ہے کائنات غیر معمولی طور پر نمناک ہے اور
جھینگر سرگرم فغاں۔

کتّے خود بخود چلّا رہے ہیں درختوں کے پتّوں کی
سرسراہٹ اداس کُن ہے اور اُلّو کی چیخ لرزہ خیز۔

میری روح قالب میں بے اختیار ہو رہی ہے
اور پرواز کرنے کو بے قرار۔

"داور! مقدّس داور"!! انجام کار میں خود بخود
چلّا اٹھتی ہوں "مجھے اس تیرگی بردوش فضا سے بچا، میں
اس کی بڑھتی ہوئی ظلمت کی تاب نہیں لاسکتی"!

یہاں نیکیاں کانپ کانپ کر فضا میں تحلیل ہوتی
ہیں اور بُرائیاں سر برآرائے دہر۔ یہاں پاکیزگی کی کوئی قیمت
نہیں رہی اور گناہ چپّے چپّے سے اُبل رہے ہیں۔ ذرّے

ذرّے پر تیرتے پھرتے ہیں۔

محافظِ لاثانی! مجھے اپنی مقدّس حفاظت میں لے لے۔ میں تیری تقدس مآب پناہ میں آنا چاہتی ہوں جہاں ضوفشانی ہی ضوفشانی ہے اور قدسیت کا دور دورہ۔

جہاں کسی خوف بدترین ہے خوف کا بھی شائبہ نہیں اور نیکیاں برائیوں میں تبدیل نہیں ہوتیں۔

سفرِ حیات

شام کی گہری گہری سرخی افق پر نمودار ہو گئی سمندری موجیں بیخودانہ انداز سے ساحل کی طرف بڑھتی ہیں اور شام کا ستارہ آسمانی بلندیوں پر رقص کر رہا ہے۔

لیکن سفر ابھی تک پورا نہیں ہوا کشتیِ حیات تو منجدھار ہی میں ڈگمگا رہی ہے۔ بادبان بوسیدہ ہو کر رہ گیا اور پتوار بے کار۔

لہریں چل ترنگ پر میٹھے نغمے گا رہی ہیں ابھرتے ہوئے حباب حسین ہیں اور روانیِ آب دلکش۔

لیکن میں ان دلفریبیوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی
کیونکہ مجھے اپنا سفر بہر صورت پورا کرنا ہے اور اس لرزاں و سوزاں
کشتیٔ حیات کو منزلِ مقصود پر پہنچانا ہے۔
غروبِ آفتاب کی رنگینیاں بڑھ رہی ہیں موجوں کے
سینے پر سفید سفید جانور تیرتے پھرتے ہیں۔ مچھلیاں کبھی کبھی سر اٹھا کر
دہر کا نظارہ کر لیتی ہیں اور کنارے کے درخت نسیم کے جھونکوں
سے جھومنے لگتے ہیں۔
لیکن مجھے تو اس سفر کو تکمیل پر پہنچانا ہے ہر ممکن
کوشش سے اسے پورا کرنا ہے۔ پھر یہ تاخیر کیسی؟ اور
پس و پیش کیوں؟؟
غروبِ آفتاب کی دلکشی اپنی طرف کھینچ رہی ہے اسے
کھینچنے دو۔ لہروں کے نغمے پر کشش سہی لیکن اس حد تک نہیں
کہ میں اپنا مجوزہ راستہ بھول جاؤں۔ ان کیف آفرینیوں میں
اسے فراموش کر دوں۔
اس لئے اے بادِ موافق! میری مدد کر اور
ساکن موجو! میری راہبر بنو!
میری کشتیٔ حیات تمھارے ہی سپرد ہے اور

رحم معبود! کی قدسی پناہ میں۔
کاش! یہ جلد از جلد اپنا مرحلہ طے کر سکتی پھر ساحل پر پہنچ کر بخت ہو جاتی اور کسی آزاد پرند کی طرح کشاکش دہر سے بے نیاز۔

افراط و تفریط

زندگی کی پیہم ناکامیوں سے دوچار ہونے کے باوجود بھی تم مسرور رہو اور گل کی طرح شگفتہ۔
جیسے کشمکش حیات سے کبھی واسطہ ہی نہ پڑا ہو۔
لیکن اک معمولی سا واقعہ بھی میری دنیائے سکون کو متزلزل کر دیتا ہے اور طمانیت قلبی کو زیر و زبر۔
افسانوی کیفیت ملی ہوئی فضا تمھارے لئے خاص حیثیت نہیں رکھتی اور نہ ہی صبح بہار کوئی دلچسپی۔
لیکن میری روح! آہ... تو ایسے وقت میں اپنی یادوں کو ڈھونڈنے لگتی ہے۔ نہ معلوم کیسی کہاں کہاں بھٹکتی پھرتی ہے۔
سکوت شب میں اگر موسیقی کی الم ریز آواز فضا کو مرتعش

کردے جیسے کوئی برباد آرزو ملاح ، غم کا گیت گا رہا ہو۔

تو تم بظاہر بے پروا رہتے ہو اور انجان محض !

لیکن آہ ! میرے افسردہ قلب میں تو شورش برپا ہو جاتی ہے اور اس کے گوشے گوشے میں الم جاگزیں۔

تم دنیائے مادی میں رہتے ہوئے بھی اس کی کاوشوں کا مقابلہ کرتے ہو۔ مصائب میں مستقل رہتے ہو اور ہر تکلیف پر خندہ۔

لیکن میرے تو عالم تخیل میں بھی تفکرات کا دور دورہ ہے اور جذبۂ احساس ہر شے پر حاوی۔

اس بڑھتے ہوئے افراط و تفریط نے مجھے اور بھی زیر پردہ کر دیا۔ میری پریشان روح ان مسلسل اختلافات سے اور بھی جھکی جھکی جا رہی ہے اور قلب ریزہ ریزہ۔

پر آہ ! تم تو ان الجھنوں سے بے نیاز نظر آتے ہو اور افکار سے بلند تر۔

قصۂ حیات

وہ پر کیف صبح ! آفتاب بادلوں سے مسکراتا ہوا نکل رہا تھا

نغمۂ طیور سے خوابیدہ کائنات بیدار ہو رہی تھی اور شفق کی زرّیں شعاعیں شب کی بچی کھچی تاریکی کو جذب کر رہی تھیں۔

ایکا ایکی ایک بہشتی جھونکے کی ہلکی سی لہر آئی اور سرسبز پتّیوں میں پوشیدہ گلاب کے پھول کو کھلا گئی جس کے لئے اب چمن کا دلکش ماحول تھا اور ساکنانِ چمن کے دلفریب نغمے۔

میں غرقِ یمِ خیال ہو کر رہ گئی۔ معبود! کیا اس افسردہ قلب میں بھی کوئی خوشی کی لہر دوڑ سکتی ہے جو اس کے پژمردہ گوشوں کو کھلا دے۔ گلاب کے کھلے ہوئے پھول کی طرح شگفتہ کر دے

اور وہ گم کردہ راہ پرندہ! جو فضا کی وسعتوں میں چکر کاٹ رہا تھا سہما سہما سا اور وحشت زدہ!! تلاشِ آشیاں میں اِدھر اُدھر مارا پھر رہا تھا اور شکستہ پر ہو کر رہ گیا تھا۔

ایکا ایکی اس کی قوتِ پرواز عود کر آئی اور وہ کائنات کے چہرے پر تاریکی کا پردہ پڑنے سے پہلے ہی اپنے مسکن پر پہنچ گیا۔ آخر بھولی ہوئی منزل کا راستہ پا ہی گیا۔

اب اُسکی روح مسرور تھی اور قلب شاداں۔

معبود! مقدس معبود!! میری زندگی بھی ایک پرکاہ کی طرح بھٹک رہی ہے اور دُور از منزلِ مقصود! کیا یہ

بھی جادۂ حیات کو بسہولت تمام پا سکے گی۔ حیات کی کٹھن
گھاٹیوں کو طمانیتِ قلبی کے ساتھ طے کر سکے گی۔

آفتاب عالمتاب ابھی پردۂ اُفق سے نمودار ہی ہوا تھا
کہ اک تاریک سے کثیف بادل نے اُسے اپنے پردے میں چھپا لیا
اب اُس کی وہ بڑھتی ہوئی تابانی نہاں تھی۔ اور
درخشانی مفقود۔

ایکا ایکی سحاب کی گرفت خود بخود کمزور پڑ گئی جیسے
کسی غیبی قوت نے مہرِ درخشندہ کو اس کے چنگل سے چھڑا دیا ہو
اب وہی افزوں تر روشنی تھی اور بڑھتی ہوئی رعنائی۔

معبود! میری زیست کی ہر تابندگی، نا اُمیدی کے
بادلوں نے گُل کر دی ہے۔ وہ اس تاریک کنوئیں کی طرح ہو کر
رہ گئی ہے جہاں روشنی کی کرن جھانکنے سے بھی ڈرتی ہو۔
کیا اس کے اُفق پر شعاعِ اُمید بھی کبھی نفوذ
کرے گی؟ جو اسے مہرِ تاباں کی طرح سحابِ یاس سے
آزاد کر دے اور از سرِ نو درخشندہ۔
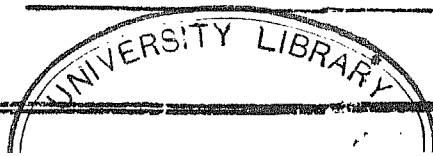
صحیفۂ حیات

سحر کے پُرنشاط سمے میں میں صحیفۂ کائنات کا مطالعہ
کر رہی ہوں اس کے اوراقِ پارینہ اُلٹ اُلٹ کر دیکھ رہی ہوں۔

فضا میں اک فردوسی کیفیت ملی ہوئی ہے درختوں
پر بیٹھے ہوئے طیور نشیلے گیت گا رہے ہیں اور سمندری موجیں
ایک دوسرے کا تعاقب کر رہی ہیں۔

اسی طرح! جیسے میرے خیالات شکستہ جہاز کے
تختوں کی طرح ماضی و حال میں بہہ رہے ہیں۔

سنہری کرنیں نوشگفتہ غنچوں کے ساتھ کھیل رہی
ہیں نسیم کے جھونکوں سے پتوں میں ایک خوشگوار سا شور پیدا
ہوتا ہے اور آفتاب کا عکس جھیل کے پانی پر ناچ رہا ہے۔

میرا تصور ان جلوہ ساماں لمحات کی یاد دلاتا ہے
جو ستاروں کی طرح مسرور تھے اور ماہِ شب تاب جیسے حسین تھے۔

سحر کے ملگجے سمے میں میں صحیفۂ حیات کا مطالعہ کر رہی ہوں
اس کے صفحاتِ گزشتہ بہ نظرِ غائر دیکھ رہی ہوں۔

بادِ سحر کے لطیف جھونکوں سے پھولوں کی پتیوں پر سے

شبنم کے قطرے گرتے ہیں۔ لیموں کی کلیوں کی خوشبو سے دہر معطر ہو رہا ہے جیسے کوئی جل پری فضائے لامحدود میں اُڑ رہی ہو اور سبز سبز بیلیں بار بار بل کھا رہی ہیں۔

اُس موسیقی سے معمور سکون میں۔ میں صحیفۂ کائنات کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ ان بھولے بسرے لمحات کا جو شفق کی طرح رنگین ہوتے ہوئے بھی قوس و قزح کی طرح دُور ہیں۔

۹

آدم نے باغِ ارم کی کیف آفرین فضا کو اس کے بغیر بے کیف محسوس کیا تھا اور وہاں کے روح پرور ماحول کو ناپسند۔

اک برگزیدہ ہستی نے اُسے آئینۂ ثانی بنا دیا اور اُسکی شکست۔ کُل کائنات کی شکست قرار دی۔

یہ نہ ہوتی تو یہ دنیائے رنگ و بو بھی نہ ہوتی۔ کائنات کی وسعتوں میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہتی اور نہ انسانوی کیفیت ملی ہتی ۔ فضاؤں میں کچھ کشش۔

اُس کی عدم موجودگی میں بربط دل کے لطیف

راگ صدائے برنخواست ہو کر رہ جاتے! اور سازِ فطرت کے دلکش نغمات پورے ہونے سے معذور۔

اس کے نہ ہونے سے شاعر کی دنیائے تخیل محدود رہتی۔ محض حدِ امکان تک پرواز کناں اور اُس کے اشعار شرمندۂ تکمیل ہونے سے عاجز!

اس کے بغیر کائنات کا ذرّہ ذرّہ افسردہ رہتا نیز گوشہ گوشہ تاریک۔ صانعِ قدرت کی صناعی نامکمل رہتی۔ اور وجہِ نمودِ دہر انسانی سمجھ سے باہر!

یہ نہ ہوتی تو زندگی کی تڑپ بھی نہ ہوتی۔ نہ ہی قلزمِ زیست میں ڈگمگاتے ہوئے محبت کے جہاز منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے۔

اُف یہ نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟ حیاتِ انسانی کی مثال ایک اندھے کنوئیں کی سی ہو کر رہ جاتی جو آخری شعاعِ آفتاب سے بھی محروم رہتا ہے اور تشنۂ درخشانی۔

اسے بجا طور پر فطرت کی اختراعِ نادرہ کہلانے کا حق ہے۔ نیز اوّلین انسان کی آرزوؤں کی تعبیر اور سینکڑوں زندگیوں کی تفسیر۔

لمحات گزشتہ

وہ دن! آہ ازمنۂ ماضیہ!! جب مسرتیں جہانگیں بھاتی آگے بڑھتیں اور عشرتیں لامحدود سرگوشیوں میں مصروف تھیں۔ طمانیت قلبی کا ہر چہار طرف دور دورہ تھا۔ اور تحفۂ سکون حرز جاں۔

ان دنوں کائنات کیسی حسین معلوم دیتی اور کسقدر روح پرور! جس کی ہر جنبش روح حیات عطا کرتی اور ہر دھڑکن زندگی کا رس۔

وہ اک رباب سے مشابہ تھی ایسا حامل نغمات شیریں رباب!! جس کی محض چھیڑ ہی روح کو سرشار کر دے اور قلب کو مسرور۔

روح افزا ماحول تھا اور دلکش فضا۔ جیسے کوئی دھیمے دھیمے سُروں میں رباعیات عمر خیام پڑھ رہا ہو۔

لیکن اب!۔ آہ! اب تو وہ لمحات افسانۂ پارینہ ہو چکے ہیں اور وہ زمانہ۔ اک بھولا ہوا قصّہ!

خود غرض دہر کے سال خوردہ چہرے پر سرد مہری

کی جھلک نمایاں ہے اور خواب ہائے پریشاں ماضی کی طرف دوڑتے دوڑتے نالاں!

فطرت کی یہ ستم ظریفی میرے لئے ایک معمّا ہو کر رہ گئی ہے اور رباب کائنات اک شکستہ سا ساز جس کے تار منتشر ہیں اور نغمے متلاطم۔

بجھی ہوئی قندیل کی طرح کا افسردہ ماحول ہے اور الم ناک فضا جیسے کوئی دردناک سُروں میں ناکامی حیات پر نوحہ گر ہو۔

بہار آتی ہے جب اور پھول کھلتے ہیں گلستاں میں
دل غمدیدہ! تیری شادمانی یاد آتی ہے
قریب شاخِ گل ہوتی ہے جب نغمہ سرا بلبل
ہمیں بھی بھولی بسری اِک کہانی یاد آتی ہے

رموزِ پنہاں

تم اس رمز کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہو جو ستاروں کے درماندہ قافلہ کی اندوہ فزا خاموشی میں پایا جاتا ہے۔

جو پروانے کی وارفتگی اور شمع کی بے نیازی میں پوشیدہ ہے
جو آہ کے شعلوں کو اور بھی تیز تر کر دیتا ہے اور لمحوں پہ
اداسی بن کے چھا جاتا ہے۔
اور جو شہرِ خموشاں کی نمناک فضا اور وحشتناک
چہار دیواری میں پنہاں ہے۔
تمھیں اُس دکھ کے احساس سے قطعی دور رہنا چاہیئے
عزیز دوست! اور تا حدِ امکان بے خبر!! ان عالمِ علوی سے دنیائے
سفلی میں لا کر بٹھا دینے والے رموز کی آگاہی سے جو رگِ جاں کے
لئے نوکِ نشتر سے کم حیثیت نہیں رکھتے اور روح کو افسردہ
اور قلب کو بے چین کر دیتے ہیں۔
اُف! یہ نہ پوچھو! کہ ساحلِ سمندر کی طرف بڑھتی
ہوئی امواج ایکا ایکی ساکت کیوں ہو جاتی ہیں۔
موسیقی کی الم ریز آواز کسی سوزِ نہاں کی سرگم کیلئے ہے
اٹھائیسویں کا زرد زرد چاند کونسا افسردہ قصہ سناتا ہے
اور میری حیران حیران نگاہوں میں مایوسی کیوں نمایاں ہے
ان اسرارِ پنہاں کو اسی طرح رہنے دو۔ سربستہ و نامعلوم
ان کا انکشاف تمھاری دنیائے سکون کو تہہ و بالا کر دے گا اور

معصوم دل پر کپکپاہٹ طاری
دہر کی سالخوردہ انگلیاں تو خود ہی یہ نقاب الٹ دیں گی: ان پوشیدہ اسرار اور رموزِ پنہاں کا۔

آتشِ جبر

مغربی افق پر آگ لگی ہوئی ہے۔ جنگ کی چشم زدن میں خاکستر کر دینے والی آگ! دہر اس کی فوری زد میں ہے اور کسی قسم کے بچاؤ کے امکان سے باہر۔
اس کی سرخ سرخ لپک انسانی ہستی کے لئے پیغامِ اجل ہے اور کائنات کے گوشے گوشے کے لئے پُر از قہر و ستم!
زمین غرقِ یمِ خیال ہے جیسے بھولی بسری کہانیاں دہرا رہی ہو اور آسمان ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے اس المناک ڈرامہ کو دیکھ رہا ہے جسکی بنیاد مبنی بر ظلم و ستم ہے اور عاری از لطف و کرم
ہر چہار طرف اک اداسی سی چھا رہی ہے۔ روح کو غرقِ محن کر دینے والی اداسی! فضائیں تیرتے ہوئے نغموں کی جگہ نالہ ہائے الم نے لے لی اور مجسم شگفتہ زندگی

مسلسل پژمردہ ہو کر رہ گئی۔

دہر کے خلاؤں پر تسلطِ آتش حرب ہے، اور تمام وسعتوں پر اسی کا قبضہ! شادماں روحیں زیر و زبر ہو رہی ہیں قلوب ریزے ریزے ہیں اور آنکھیں نمناک! جیسے تمام کائنات کی اداسیاں سمٹ سمٹا کر ان میں مجتمع ہو گئی ہوں لیکن یہ بڑھتی ہوئی آتشِ حرب! معبود!! یہ تو لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر ہو رہی ہے

جنگ کے دھندلے دھندلے میدان پر تسلط فرشتۂ فنا ہے سینکڑوں روحیں بیک ثانیہ اس طرح دم توڑ دیتی ہیں جیسے درختوں کے پتے موسمِ خزاں میں ٹوٹ ٹوٹ کر گرا کرتے ہیں۔ زمین کسی مریض کے تنفس کی طرح لرزاں ہے اور فضا غیر معمولی طور پر ہیبت ناک۔

تاریخ آج مہذب ہوتے ہوئے بھی اوراقِ زمانۂ جاہلیت الٹ رہی ہے چنگیز کے مظالم محض افسانہ ہائے پارینہ ہو کر رہ گئے اور ہلاکو کی بربریت بے حقیقت۔ فطرت کی شوخ پری مسرور ہے اور اپنے بنائے ہوئے کھلونوں کی بربادی پر متفخر! جن کی ہستی چشم زدن میں نیستی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور قصۂ حیات اک دیوانے کا خواب ہو کر رہ جاتا ہے۔

لیکن آتش حرب ! اُف یہ بھڑکتی ہوئی آگ !
جو چشم زدن میں سوختہ کر دیتی ہے اور لمحہ بھر میں خاکستر ! آہ یہ
تو قریب سے قریب تر آتی جاتی ہے ۔ اُفقِ مشرق بھی دھواں دھار
ہو رہا ہے اور کائنات تیرہ و تار ۔

ہوائیں خاموشیٔ شب میں ڈوب رہی ہیں تھکی تھکی
شاخیں خود بخود جھک رہی ہیں ۔ فضا ساکت ہے اور ماحول خوابیدہ
پر معبود ! راحم معبود !! اسے تو شاید
ایک لمحہ بھی قرار نہیں ۔ اک مسلسل تڑپ ہے ۔ شعلہ کی سی
بے تابی اور سیماب وار لرزش ۔

یہ حاصل خاتمۂ تہذیب نو ہے یا قہر داوری
قدرت کے عتاب کی نشانی ہے یا انسانیت کی بڑھتی ہوئی آز کا نتیجہ
یہ آتش ! روح کو سوختہ اور ہستی کو
نیستی میں بدل دینے والی آتش ۔
مجسّم لرزاں اور لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر آتش !

⁂

نغمۂ آزادی

موسم بہار کا پُر سطوت چاند آسمانی گہرائیوں سے جھانک رہا ہے۔ مع اپنی جملہ رعنائیوں اور بڑھتی ہوئی دلفریبیوں کے ستاروں کی درخشانی شوخی پر ہے اور رسیلی چاندنی مسکراتی ہوئی۔ تمام کائنات بقعۂ نور بن رہی ہے جیسے کوئی روپہلی دریا لہریں مار رہا ہو۔

ایسے افسانوی سمے میں سمندری موجیں جلترنگ پر بیٹھے راگ الاپ رہی ہیں بار بار مسرت بھرے قہقہے لگاتی ہیں اور ہنسی کی چھینٹیں اُڑاتی ہیں جیسے اس بدنصیب قوم کی پستی کا تمسخر اُڑا رہی ہوں جو حق آزادی سے محروم ہو اور اُسکی قیمت سے نابلد جس کی حیات کا کوئی معیار نہ ہو اور نہ کچھ قومی افتخار۔۔۔۔۔ جو زندہ تو ضرور ہو لیکن مُردوں سے بدتر اور کشاکشِ حیات کے ناقابل۔

لیکن ہو سکتا ہے اور دنیا بہ اُمید قایم کہ یہی شوریدہ موجیں کبھی تہنیت آزادی کے گیت بھی گائیں۔ پرندوں کی طرح آزاد روحوں کا استقبال تعریفانہ نغمات سے کریں اور خوشی کی

تھا گیں سہارا کر اُن کے دار ہائے نمایاں کی داد دیں۔

کیونکہ جس طرح ہر ابرِ تاریک سے چھپا چھڑا کر آفتاب
عالم تاب چمکتا ہے پیشتر سے بیشتر درخشانی اور ترقی پذیر شوکت کے ساتھ
اسی طرح ذلت آمیز غلامی کے بعد آزادی کا دور دورہ ہوگا
روحِ حیات عطا کرنے والی پُر کیف آزادی کا۔

اگر خزاں کے دستِ جفا سے نیم جان ہو جانے کے بعد
بھی اشجار بار آور ہو سکتے ہیں اور از سرِ نو آراستہ بہ گلہائے سرسبز۔
تو احساسِ غلامی سے جھلکی جھلکی روحیں بھی ایک روز
نئے سرے سے حیاتِ تازہ پائیں گی پھر ماضی اک پریشان خواب
ہو کر رہ جائے گا اور بھولا ہوا افسانہ! تفکراتِ ہستی فراموش ہو
جائینگے اور زندگی کے مصائب ناپید۔

بلندی حاوی بر پستی ہو جائے گی اور عشرت مسلط بر نکبت۔
سوچوں کے ترانہ ہائے شادمانی بلند تر ہوتے جاتے ہیں
جیسے میری ہمنوا ہوں اور ہم آواز ...... آزادی کی حسین
دیوی کی پذیرائی کو تیار اور اُس کی پیشوائی کو کمربستہ۔

ایک روز یہ شیریں خواب اپنی تعبیر کو پہنچ
جائے گا۔ اپنی حقیقت کو پالے گا۔

پھر افسردہ روحیں تلاشِ آزادی میں ادھر اُدھر بھٹکتی نہیں پھریں گی اور نہ فضاؤں میں غلامی کے حلقے نظر آئیں گے۔
پھر ہر ذرہ مسرت ہو گی اور کیفِ نا تمام بلا زوال انبساط ہو گیا اور بڑھتی ہوئی بلندی۔

اُٹھو موجیں کوئی سرمدی سا راگ الاپ رہی ہیں کوئی نشیلا گیت۔ کائنات مدہوش ہے اور فضا میں ہلکی ہلکی لرزش۔
ہوا کی سرسراہٹ میں شگفتگی ہے اور غنچوں کی جنبش میں سرور!

معبود! مقدس معبود!! یہ آزادی کا پیش خیمہ تو نہیں۔ یہ سمندری موجوں کا فردوسی راگ! یہ اُن کا روح پرور ترانہ! جو اقوامِ خوابیدہ کو بیدار کر دیگا اور جدوجہد آزادی کیلئے تیار

کاش!

کاش! یہ میرے لئے ممکن ہو سکتا اور حدِ امکان میں کہ اسرارِ چرخِ نیلوفری دیکھ سکتی۔ اُس کے رازہائے پنہاں سے واقف ہوتی اور رموزِ پوشیدہ سے باخبر۔

جب شب بھر کی پاسبانی کے بعد ستاروں کا قافلہ آمادہ بہ روانگی ہوتا ہے کچھ لٹا لٹا سا اور اندوہ فزا طور پہ خاموش۔ تو میری دنیائے سکون متزلزل ہو جاتی ہے اور قلبی راحت متلاطم! کاش! اس افسردہ انجمن تک میری پہنچ ہو سکتی اور اس سے واقفیت میری دسترس میں۔ پھر میں ستاروں سے ان کی وجہ سکوت دریافت کرتی اور شب بھر کی محافظت کے ہم نتیجہ کا سبب

موسم بہار میں جب کائنات اک ارغنوں بن کر رہ جاتی ہے اور اس کا ذرہ ذرہ سہانی سی راگنی تو میرے دل کی گہرائیاں زیر و زبر ہونے لگتی ہیں اور روحانی تسکین مبدل بہ آلام۔ کاش! میری سماعت اس قدر ارفع ہوتی اور تخیل اتنا اعلیٰ کہ ملکۂ بہار کے تہ بھرے راگوں سے لطف اندوز ہوتی اور اس کے نغمات سے بہرہ اندوز! ہواؤں میں تیرتے ہوئے پرندوں کے دلکش گیتوں سے حظ حاصل کر سکتی اور فضا میں چکر کاٹتی ہوئی تتلیوں کی سرسراہٹ سے کیف۔

مقدس معبود! میری دلی آرزو ہے کہ یہ الجھان روح دہر کی آلودگیوں سے کبھی مس نہ ہو اور نہ اس کی شوریدگیوں سے مقابلہ آرا! برعکس اس کے اسے طاقتِ پرواز عطا ہو جاتی اور

جوہر پاکیزگی تاکہ یہ مقدس فردوسی فضاؤں کے چکر کاٹ سکتی اور عالم علوی کے تقدس مآب ماحول سے روحانی سکون حاصل کرتی۔

اس وقت ہاں تب !! اسے مادّی دہر سے کچھ واسطہ نہ رہتا اور نہ یہاں کی پیچیدگیوں سے کوئی تعلق۔

شام کے پُرسکوت سمے میں شفق کی گہری گہری سُرخی مجھے پژمردہ کر دیتی ہے اور دم توڑتے ہوئے آفتاب کا منظر وحشت زدہ !

کاش ! اے کاش !! میں دریافت کر سکتی کہ یہ سُرخی کون سی مظلوم روحوں کے جگر لخت لخت کے ٹکڑے ہیں اور اُن کے دُکھی دلوں کی پُکار۔

روپوشیٔ آفتاب میں کون سا راز مضمر ہے اور کیسے کیسے رموز پنہاں ! اکثر "بحیرۂ عرب" کے نالہ ہائے نیم شب مجھے اُداس کر دیتے ہیں اور اپنی ہستی سے بے زار۔

معبود ! اس پُرسطوت سمندر کو بھی طمانیت نصیب نہیں اسے کس شے کی تلاش ہے اور کون سی کھوئی ہوئی یاد کی جستجو۔

کیا اس کا مطلوب اس سے چھن گیا ہے یا درِ ابدیت پر دستک دینے کے لئے اس قدر بے قرار ہے۔

کاش ! میں اس کی سنہلی موجوں میں یہ سُراغ پا سکتی

اس کے ساحل سے وجہ جنون پوچھ سکتی اور سبب ترقی پذیر شوریدگی۔

یہ میری آرزوئیں ہیں اور قلب کے گوشے گوشے سے
ابھرتی ہوئی تمنائیں باوجود یہ جاننے کے بھی کہ ان کی حیثیت ایک
دیوانے خواب سے زیادہ نہیں، روح ان کے تکمیل کو پہنچنے
کی متمنی ہے اور بر آنے کی آرزومند۔

کشمکشِ حیات

شام کا پُرسکوت وقت ہے اور خاموش خاموش
ماحول! دن بھر کی تھکی ماندی کائنات سکون کے گہرے گہرے سانس
لے رہی ہے آسمان پر ستارے درخشاں ہیں اور زمین پر رنگیلے شجر رقصاں
تخیل کی زاویوں جیسا جادو اثر وقت ہے اور ماہتابی
کرنوں کا حسین سماں!

ایسے یادگار سمے میں بھی میری روح آزردہ ہے اور
اسی مخفی الم کے زیر اثر جھکی جھکی بڑھتی ہوئی الجھنوں نے اسے پژمردہ
کر دیا ہے اور تصور ماضی نے خستہ۔

اللہ! اللہ!! کشمکشِ حیات کی ستم آرائیاں کہ ستی

اپنے وجود سے بیزار ہے اور روح غیر مرئی وادیوں میں پرواز کرنے کو تیار۔

فضائیں رات کی بیہوشیوں میں ڈوبی ہوئی ہیں اور ہوائیں اُس کی کیف آفرینی سے بہکی بہکی۔ ستارے مدھم پڑ کر روشن تر ہوتے جاتے ہیں۔ فضا میں اک روحانی سی کیفیت بسی ہوئی ہے۔ نسیم کے خوشگوار جھونکوں کے ساتھ حنا کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے اور چنار کے درخت پر سے بلبل کا نالہ بار بار سنائی دیتا ہے

ایسے سہانے وقت میں میرا خواب خیال ہو کر رہ گیا ہے۔ حیات کی اُلجھنوں نے اُس کے ہر چہار طرف حصار کر لیا اور اس کی پیچیدگیاں رگ جاں کے لئے نوک نشتر بن کر رہ گئیں

کشمکش حیات میرے لئے اک مستقل عذاب بن کر رہ گئی اور تمناؤں کی کسک اس کا دیباچہ و تمہید۔

وہ ہے ہلکی ہلکی چاندنی ضوفشاں ہے اور ہر طرف ہر جگہ سناٹا رقص کناں۔

فضا میں بیشمار روحیں ادھر اُدھر منڈلاتی پھرتی ہیں اور چنگ و رباب کی سحر آفرینیاں ماحول کو خوابناک بنا رہی ہیں۔ لیکن میں تو بیگانۂ کیف آفرینی ادھر ہوں اور

کائنات کی رنگارنگ دلچسپیوں سے بے نیاز! میری واماندگی ہر لمحہ ترقی پذیر ہے اور بیچارگی اپنی شکست کی آواز۔

اُف! کشمکش حیات؟ اور اس کی بڑھتی ہوئی شوریدگی

ٹھوکر

اولین شعاع آفتاب کلیوں کو کائنات کے لطیف رازوں سے آگاہ کر رہی تھی۔ ننھی ننھی چڑیوں کے دلکش نغموں سے فضا میں ترنم بھری جھنجھناہٹ پیدا ہو جاتی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نبض کائنات کو تیز تر کر دیتے۔

فضا میں افسانوی کیفیت بسی ہوئی تھی اور تبسم سے بھی زیادہ حسین ماحول تھا۔

لیکن ایسے پُرلطف اور لطیف سمے میں بھی — میں پژمردہ تھی اور بجھی ہوئی قندیل کی طرح افسردہ!

کیونکہ میری زیست کے لمحات زرّیں ختم ہو چکے تھے چشم زدن میں گزر گئے تھے اور برق آسا تیز رفتاری کے ساتھ ماضیہ میں بل گئے تھے۔

وہ لمحاتِ زیست! جن کا ہر سانس میرے لئے جاذبیت رکھتا تھا اور دلکشی! لیکن میں نادان تھی اور محض انجان! ..... کہ اس عرصۂ محدود کو لازوال سمجھتی رہی اور ہر صبحِ حیات میں درخشانی کی متلاشی۔

لیکن آہ! یہ نہیں معلوم تھا کہ مجھیں دکھو کر میری ہر سحر صبحِ ملال بن جائے گی اور گزری ہوئی دلچسپیاں محض محض اک نظری دھوکا:-

شام کے پُرکیف سمے میں پرندے آشیانوں کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ بادلوں پر شفق کی سرخی چھا چکی تھی اور اُفق کے رنگین کنارے دن کو الوداعی پیغام دے رہے تھے۔ فضا میں دلکش نغمے تیر رہے تھے اور موسیقی سے زیادہ لطیف شام تھی۔

لیکن ایسے پُرسطوت وقت بھی میں بے خبر از گرد و پیش تھی اور غرقِ یم خیال کیونکہ میری زندگی کی خوشگوار گھڑیاں چشم زدن میں گزر چکی تھیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب از دہر ہو چکی تھیں اور قطرۂ حباب کی طرح لرز لرز کر فنا۔

وہ کیف آفریں گھڑیاں جن کا محض اب خیال ہی خیال

رہ گیا ہے اور اک دھندلا سا خاکہ جو شباب بہار سے بھی زیادہ ناپائیدار تھیں اور برشگال کی عارضی دھوپ کی طرح زوال پذیر پر آہ! کہ میں انھیں حاملِ مسرت ہائے گوناگوں سمجھتی رہی اور خوشیوں کا لبریز خزانہ۔

لیکن میں غلطی پر تھی اور مبتلائے ستم ظریفیٔ فطرت کہ ان لمحات سراب آسا کو دائم و قائم سمجھتی رہی اور ہر شامِ حیات میں شگفتگی کی منتظر۔

لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تمھیں کھو کر میری ہر شام شامِ یاس بن جائے گی اور روح مائل بہ قنوطیت۔

خیالات

جب رات کی شعلہ بدامن ساعتیں مسلط بر سر کائنات ہو جاتی ہیں اور مدھم مدھم چاندنی میں بکھرے ہوئے ستارے مسلی ہوئی پتیوں کی طرح نظر آتے ہیں تو میرے حساس دل کی گہرائیوں میں اضطراب برپا ہو جاتا ہے۔ میں متوحش ہو جاتی ہوں اور اس فکر میں غلطاں و پیچاں کہ کہیں یہ اداس اداس

ستارے حسین عروسِ شب کے آنسو تو نہیں۔ اس کی نرگسی آنکھوں سے ڈھلکے ہوئے موتی۔

جب مشرقی دریچے سے مسکراتا ہوا آفتاب نکلتا ہے اور ہوا فرطِ مسرت سے اٹھکھیلیاں کرتی چلتی ہے تو قطرہ ہائے شبنم پر پہلی شعاعِ آفتاب پڑتے دیکھ کر میں کانپ جاتی ہوں اللہ! یہ غربت کے قطراتِ خونِ جگر تو نہیں جو خاموش اور تاریک راتوں کو بہتے رہتے ہیں۔ بحالِ نزار اور پامال روحوں کی صدائے بازگشت بن کر اور اُن کی کیفیتِ قلوب کی تفسیر۔

سفید سفید بادلوں کا خیاباں خیاباں چکر کاٹنا میرے لئے باعثِ اضطراب ہے اور اُن کی بے قراری سکون سے عاری کر دینے کا سبب۔ وہ پہروں کھوئے کھوئے ادھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں اور میں تفکرات میں ڈوبی ڈوبی۔ کہ معبود! یہ غمزدہ روحوں کے قلوب سے نکلی ہوئی آہیں تو نہیں یا یوسیوں نا کامیوں اور نیرنگیٔ تقدیر کا مجموعہ جو فضائے آسمانی میں منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔

کسی افسردہ سی سہ پہر کو جب کائنات خزاں کا روپ بدل لیتی ہے اور زرد زرد سے بھیانک لبادے میں ملبوس تو میری روح پر غم کے کوندے لپکنے لگتے ہیں اور افسردگی حاوی بر دل و دماغ

پھر دل سوچتی رہتی ہوں کہ معبود! کہیں یہ عالم بہار میں تو بے حال نہیں ہو رہی۔ خیال ماضیہ میں تو محو نہیں۔ کسی بھولی ہوئی یاد میں مستغرق، اور دم بخود۔ صورت بیمار و غرق الم۔

ستارۂ صبح

آخر شب کی خاموشی سکوں طراز تھی اور ماحول سکون پذیر۔ ستارے اُبھر اُبھر کر ڈوب رہے تھے اور نسیم سحر کے شوریدہ جھونکوں کی چھیڑ چھاڑ سے پتے لرزاں۔ دور جھاڑیوں پر بیٹھے ہوئے طیور خوش الحانی سے کچھ گا رہے تھے کائنات قریب بیدار تھی اور ہر شے میں نبض حیات رقصاں میں چاہتی تھی کہ اس افسانوی فضا سے کچھ دیر کے لئے لطف اندوز ہو سکوں شگفتگی کائنات سے زندگی کا رس حاصل کروں تاکہ دل مضطرب سکون حاصل کر سکے اور افسردہ روح تازگی۔ لیکن آہ! میری برگشتگی طالع!! کہ طمانیت قلبی آج مجھ سے دور ہی دور تھی اور غیر مرئی وادیوں کے مرغزاروں میں آوارہ خرام! ادھر کی شگفتگی لمحہ بہ لمحہ بڑھ

بڑھ رہی تھی جیسے مسرت و اطمینان کے ہالے لہریں مار رہے ہوں
چمن خنداں تھا۔ غنچے متبسم اور کلیاں شاد شاد۔ فضا پر ایسا
قدسی ماحول طاری تھا جیسے آسمانی فرشتے ساز فطرت پر مدھ بھرے
راگ الاپ رہے ہوں۔ روح پرور اور پاکیزہ راگ۔
لیکن میرا تفکرات سے لبریز دل احساس کے ناولوں
سے چور چور تھا اور برگشتہ روح نیرنگی تقدیر سے کھوئی کھوئی۔
میں ان بڑھتی ہوئی شورشوں سے تنگ آچکی تھی ہر
لمحہ ترقی پذیر الجھنوں سے نالاں تھی اور سوزشوں سے گریزاں۔
دھندلے اور مدھم سائے واضح ہوتے جا رہے تھے
بادل دوش نسیم پر اڑتے پھرتے تھے اور افق مشرق سے سپیدۂ صبح
نمودار ہو رہا تھا۔ اپنے تفکرات میں نہ معلوم کب تک کھڑی
رہتی۔ یوں ہی مدہوش سی اور ساکت کہ ایکا ایکی میری نگاہ
درخشاں سے ستارۂ صبح پر جا پڑی جو گرفت سحاب سے آزاد
تھا اور شدّ و مدّ سے تاباں۔ وہ کائنات اور اس ہنگامہ خیز لوں
سے انجان تھا اور اک انداز والہانہ سے مصروف رقص۔
مجھے تو یہی محسوس ہوا کہ قلبی گہرائیوں کو اطمینان
کی شعاعوں نے پُر نور کر دیا ہے اور طمانیت نے بھر لیا۔

اب فضا غیر معمولی طور پر واضح و اضح تھی۔ اور ماحول خصوصیت سے تابناک۔

ستارۂ صبح میرے بھولے بسرے خوابوں کی تعبیریں کر آیا تھا اور وافر آرزوؤں کی خوشگوار تفسیر

افقِ تقدیر پر نفوذ کرنے والا ستارۂ صبح۔ جو دب دب کر ابھرتا ہے از سرِ نو تابانی اور بڑھتی ہوئی جلوہ سامانی سے۔ میں اُسے کس نام سے یاد کروں گی؟

دیروز

رفتہ و گزشتہ دیروز! تو کس قدر حامل عجائبات ہے اور کیسا مجموعۂ حوادثِ روزگار! جب حال کی پیچیدہ گڑیاں مجھے نیم جان کر دیتی ہیں اور فکرِ فردا بے حال!! تو میں تجھے فضا کی خلاؤں میں تلاش کرنے لگتی ہوں۔ تیری جائے پوشیدگی دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ جہاں تو بوئے گُل کی طرح آوارہ خرام ہے اور مصروفِ عشرت! اس وقت! تو اے دیروزِ گزشتہ! میرے تخیّلات پر اس طرح چھا جاتی ہے جیسے آبِ خوابیدہ کو آوازِ سنگریزہ

بیدار کر دے۔

جب زندگی مجھے پُر از آلامِ دہر نظر آتی ہے اور مجموعۂ یاس وارماں! تو اُس وقت صرف تیرا ہی تصوّر ہوتا ہے جو مجھے سرشار کر دیتا ہے اور بیگانہ از ماحول! میں دنیائے ماضیہ میں کھو کر رہ جاتی ہوں اور ان خوابوں کے دیکھنے میں محو۔ جو اب کبھی نظر نہیں آئیں گے۔

ایسے سمے میں بھی جب قوم کی موجودہ پستی کا احساس تو اب کو مضطر کر دیتا ہے اور دماغ کو پریشان۔ اس کی نکبت درد بن کر رگ رگ میں سما جاتی ہے اور ذلت حاوی بر افکارِ ہائے زیست۔ تو صرف تیرا ہی تخیّل ہوتا ہے جو روح کو گرما دیتا ہے ہستی کو تابندگی عطا کرتا ہے اور تو اسے دیروز ذی شان! زمانے کے دھندلے دھندلے ورق پر اس طرح نظر آتی ہے جیسے سطحِ آسمان پر رقصاں ستارۂ صبح۔

ماضی کا بھروسا ہی ہمیں پُرکیف مستقبل کا پتا دیتا ہے دلِ غمدیدہ کو از سرِ نو شاداب کرتا ہے اور ہستی کو درخشاں۔

تیری بھولی ہوئی کہانی اک زندہ قوم کے کارنامے سُناتی ہے اور اُس کی شان و شوکت کے سچّے افسانے۔

ایک ایسی قوم کے قصّے جو تیز گامی سے سفر کرتی کرتی اب تھک کر چور ہے اور منزل پر جلد پہنچنے کے ناقابل۔

لیکن اے دیروز گزشتہ! میں یہ سوچ کر متوحش ہو جاتی ہوں اور بےحد متفکر! کہ تو اس قدر جلد کیوں چلی گئی۔ سراب آسا تیزی کے ساتھ دور سے منہ کس لئے موڑ لیا اور کتاب ماضیہ میں چھپاں ہو کر کس لئے رہ گئی۔

کاش کہ تو ایک مرتبہ پھر اسی جلوہ سامانی کے ساتھ مسلط برسرِ کائنات ہوتی۔ شعاعِ اُمید بن کر اور ماہِ آرزو! تا کہ قوم کو اپنی بلندی کا احساس ہوتا اور عظمتِ رفتہ کا خیال!

دیروز! لوٹ کر نہ آنے والی ساحرہ! تو اتنی جلدی رفاقت کیوں چھوڑ دیتی ہے؟

ازمنۂ گزشتہ

رات غیر معمولی طور پر خاموش ہے اور گہرے گہرے سوچ میں غلطاں! آسمان پر غیر مبہم سے ستارے ٹمٹماتے ہیں اور تیرگی بردوش فضا میں مہیب سا خوف سانس لے رہا ہے جیسے سیکڑوں غیر واضح

روحوں نے ہلچل مچا رکھی ہو۔

دہر عالمِ سکوت میں ڈوبا ڈوبا سا ہے اور میں ازمنۂ ماضیہ کے لئے کھوئی کھوئی۔

ازمنۂ گزشتہ! جو شہد کی طرح میٹھا تھا اور کلی جیسا مقدس جس کی ہر صبح مسرورکن تھی اور ہر شب حاملِ کامرانی۔ جب فکرِ فردا نہ تھا اور نہ ہی ذکرِ امروز!

تب قدرت ایک دلکش نغمہ چھیڑے رہتی تھی۔ نشاط سے لبریز نغمہ جو قلب کو مسرت سے معمور کر دیتا اور روح کو شاداب و مخمور!

جانستانی وقت نے تب عرصۂ حیات تنگ نہیں کیا تھا اور نہ ہی دہر اس کے درپئے آزار تھا۔

تب زندگی اک آرزوئے مجسم تھی اور مسلسل قہقہہ جو بادی النظر میں بعید طویل معلوم ہوتا اور کبھی نہ ختم ہونے والا

لیکن آہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

وہ عہدِ شگفتہ تو اس طرح گزر گیا جیسے برق بادلوں سے چمک کر پھر سے نہاں ہو جاتی ہے یا جس طرح موسمِ برشگال کی عارضی دھوپ غائب از نظر ہو جاتی ہے اور کائنات کو روشن کرنے سے پیشتر ہی روپوش!

رات اسی طرح سکوت سے لبریز ہے اور میں غرق خاموشی
ہوائے شوریدہ جھونکوں سے پتوں میں ہلکی ہلکی سی
سرسراہٹ پیدا ہو رہی ہے اور میرا دل! مضطر و بے قرار دل!!
ازمنۂ ماضیہ کے لئے دھیرے دھیرے کراہ رہا ہے!

پیار!

وہ ہر روز مشرقی گھاٹیوں سے طلوع کرتا۔ آسمانی جھروکے
سے مسکراتا ہوا نکلتا! اور ہجوم سحاب سے اس شہزادے کی طرح نظر
آتا جس میں شوخی اور معصومیت کے رنگ ملے ہوئے ہوں۔
شفق اس کی تابانی سے نکھر اٹھتی دہر درخشاں ہو جاتا
اور فضا روشن تر! بادل فرط مسرت سے آسمانی خلاؤں میں چکر
کاٹنے لگتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ قرمزی اور سنہرے لبادوں میں
ملبوس پریاں رقص کر رہی ہیں اور پھر وہ دھیرے دھیرے آگے
بڑھتا۔ روشنی کی لانبی لانبی شعاعیں بکھرتا اور تابانی لٹاتا تو
وسیع سمندر اک سنہری طشت بن کر رہ جاتا۔ سیمیں اور درخشندہ
طشت! اور گیہوں کے کھیتوں پر سونا بکھرتا نظر آتا۔ اس وقت وہ

صانع قدرت کی انتہائی رفعت کا نتیجہ معلوم ہوتا اور وجہ نمود کائنات
جو ہر کو بیدار کر دیتا اور فضا کو تابندگی حیات سے لبریز
اس کی سنہری کرنیں شبنم آلود سبزہ سے آنکھ مچولی کھیلتیں۔ نئی
نئی چمکیلی کلیوں کی پنکھڑیوں کو وا کر دیتیں اور بل کھاتی ہوئی
موجوں پر رقصاں رہتیں! لیکن مغرب کا وہ اداس اداس
وقت! جب اس کی تابانیاں دامن سمیٹنے لگتیں۔ شام کے
دھندلکوں میں جذب ہو جاتیں تب اس کا رنگ پھیکا پڑتا
جاتا اور تابانی مفقود ہوتی جاتی یہاں تک کہ وہ کسی بجھی ہوئی
قندیل کی مثال بن کر رہ جاتا افسردہ افسردہ اور عاری از حیات
اس وقت وہ اک مرد بیمار نظر آتا اور مدتوں کا
مریض! یہاں تک کہ کائنات اک اداس سے رنگ میں رنگ
جاتی۔ اس کی جد و جہد ڈھیلی پڑ جاتی اور کشمکش اختتام پذیر
اور وہ اپنی بے نور سی آنکھ کے عمق میں جانگسل
غم کی جھلک دکھاتا کہیں روپوش ہو جاتا اندوہ فزا خاموشی
کے ساتھ دنیا کی نظروں سے دور ہو جاتا اور وسعت تخیل سے
بعید تر۔

بھکارن

شفق کی آتشیں شعاعیں دن کی تجلیوں کو اپنے دامن
میں سمیٹ رہی ہیں۔ فضا میں ہلکا ہلکا سا دھندلکا چھا رہا ہے اور
کائنات لمحہ بہ لمحہ تاریک ہوتی جاتی ہے۔

ایسے بھیگے بھیگے وقت میں ایک خانماں برباد خاتون...
لب سڑک بیٹھی ہے۔ اہل غیرت کی سیر چشمی کا امتحان لے رہی ہے
اس کے بوسیدہ کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے ہیں اور تن نازنیں
کو پوشیدہ رکھنے کی ناکام کوشش میں مصروف۔

ہرنی کی سی حسین آنکھوں میں حیا کے ساتھ ساتھ مایوسی جھلک
رہی ہے اور معصوم چہرے کی زردی فرشتوں سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے
معبود! بیکس دختر ہند! غریب و ناس وطن کی بھکارن!
جس پر نگاہ ڈالنے سے پیشتر کبھی جبین کائنات کانپ اٹھتی تھی اور
روئے مہر تاریک ہو جاتا تھا لیکن آج وہ آفت رسیدہ ہے
اور ایک پارۂ نان کو ترستی ہوئی..

وہ اپنی حسرت زدہ آنکھیں جھکائے ہوئے ہے جیسے زمین
سے اس بے معنی زندگی کا مقصد پوچھ رہی ہو۔ دست نازک سوال

کے لئے بڑھانا چاہتی ہے لیکن جھجکیا کر پھر پیچھے ہٹالیتی ہے مفلسی اسے
جوہر خودداری سے عاری نہیں کرسکتی نہ غربت جذبۂ حیاداری کو مٹا سکتی ہے
شرم وحیا سے سہمی سمٹائی بھکارن! غربت کے
روپ میں پیکر عفت!! تیرا غلام ملک تیری شایان شان قدر
نہیں کرسکتا۔ وہ خود بھی مجبور ہے اور تیرے لئے رزق پیدا کرنے سے معذور
اور تیرے اہل وطن! وہ تو جذبۂ احساس سے عاری
ہیں اور ناقابل برداشت حد تک خود فراموش۔
کاش! کہ تیری یہ نازیبا حالت ان کے قلوب میں
غیرت پیدا کرسکتی۔ ان کی خوابیدہ روحیں بیدار ہوجائیں اور
مردہ رگیں جذبۂ حب الوطنی سے زندہ۔

سناٹا

بجھی ہوئی قندیل کی طرح افسردہ رات ہے اور بدمعہ
سمندر کی سی تاریکی! ہر چہار طرف اک سناٹا چھا رہا ہے
فضا میں لرزہ خیز تہلکہ مچا دینے والا سناٹا۔
کبھی کبھی دھندلا سا چاند بادلوں میں سے نظر آجاتا ہے

یا اِکّا دُکّا ستارہ چمکنے لگتا ہے۔

اور یہ سناٹا! کائنات پر چھایا ہوا سنّاٹا! جو ہر لمحہ بڑھتا ہی جاتا ہے گزرتے ہوئے وقت کے قدموں کی سرسراہٹ کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ہے:۔

میری روح خود بخود افسردہ ہو جاتی ہے جیسے غیر معمولی بوجھ تلے دبی جا رہی ہو اور قلب رنج و الم کی گہرائیوں میں تیر رہا ہے کسی مخفی اثر کے ماتحت پژمردہ ہوا جاتا ہے۔

آسمان پر تند ابر چھایا ہوا ہے۔ کسی پہاڑ کے دامن سے اُلّو کی منحوس آواز بار بار سُنائی دے رہی ہے۔ اور سوکھی ہوئی ٹہنیاں خود بخود سرسرا رہی ہیں۔

اس پر یہ سناٹا! ناقابلِ فراموش سنّاٹا!! کہ ہوائیں تک سہمی ہیں اور فضائیں چُپ چاپ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دور کہیں کوئی خبیث روح سسکیاں بھر رہی ہو۔ سکونِ کائنات کو زیر و زبر کر رہی ہو۔

اُبھری ہوئی چٹانیں آسمان کو تک رہی ہیں۔ ہر طرف تاریکی کی حکمرانی ہے اور سنّاٹے کا پہرہ۔

ایسے وقت میں چمگادڑیں چیخ رہی ہیں گتے چلّاتے

ہیں اور گیدڑ شور مچاتے ہیں! اُف! ان کی ڈراؤنی آوازیں!
جو سناٹے کو پہلے سے بھی زیادہ مہیب بنا دیتی ہیں۔
کسی مخفی سے احساس سے روح کپکپانے لگتی ہے اور
اعصاب ریزہ ریزہ ہوتا ہے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سیکڑوں کمسن گھُٹنے مصروف
نالہ و بُکا ہوں۔ اُف! یہ سناٹا!! یہ ناقابلِ فراموش اور
وحشت ناک سناٹا۔

اِک لمحۂ کیف

وہ پُرکیف اور روح آسا لمحہ! وہ خوابناک سماں۔
آسمان پر کہکشاں نکلی ہوئی تھی۔ ستارے ڈوب ڈوب
کر ابھرتے اور چاندنی کی لہروں میں گداز تھا جیسے کوئی فردوسی
حور دھیمے دھیمے سُروں میں کچھ گا رہی ہو۔
اُف! وہ لمحۂ سرور آگیں! جو کلی کی طرح چمکیلا تھا
اور غنچے جیسا شگفتہ۔ ہوا شرمیلی سی سرسراہٹ سے سمٹی سمٹائی چل
رہی تھی۔ شوریدہ موجیں محوِ خواب تھیں اور فضا میں نیموں کی

کلیوں کی ہلکی ہلکی خوشبو بس رہی تھی جیسے مشک بیز لبادہ میں ملبوس پری چکر کاٹ رہی ہو۔

ماہتابی کرنیں سبز سبز پتوں پر جگمگا رہی تھیں۔ سرو کے درخت آسمان کی طرف لانبی لانبی انگلیاں اٹھائے ہوئے تھے اور شوریدہ سمندر دھیمے دھیمے گرج رہا تھا جیسے کوئی خوابیدہ جن خراٹے لے رہا ہو۔

سکون کا دور دورہ تھا اور ملکۂ شب کی حکومت!

دنیا خواب فراموشی میں غرق تھی۔ ملگجے اور سپید رنگ کے چھوٹے چھوٹے بادل ادھر ادھر دوڑتے پھرتے تھے اور پہاڑی جھرنا کوئی سرمدی راگ الاپ رہا تھا جیسے جبرا و سزا کا فرشتہ پاکیزگی کی طرف مائل کر رہا ہو۔

برف پوش چوٹیاں چاند کی روپہلی کرنوں سے تاباں تھیں۔ کرمک شب تاب کی اڑتی ہوئی چنگاریاں شہاب ثاقب کا نظارہ پیش کرتیں اور درخشاں کائنات باغ عدن کا ایک بہتا ہوا ٹکڑا معلوم ہوتی جیسے روح عالم حقیقت سے نکل کر افسانہ کی دنیا میں اڑ رہی ہو — وہ لمحۂ کیف! جو پراز انبساط تھا اور حامل سرور!۔

نالے

گرجتے ہوئے طوفانی بادل دشتِ نسیم پر اُڑے پھرتے ہیں جھیل اور دیودار کے درختوں پر طیور چہچہا رہے ہیں اور پہاڑیوں سے پانی ہلکی ہلکی شورش کے ساتھ گر رہا ہے۔

چپّہ چپّہ معمور از زیست ہے اور ذرّہ ذرّہ حیات کی لہریں مارتا ہوا۔ کائنات، نغمات چنگ و رباب کی طرح سحر آفریں بنی ہوئی ہے اور تبسم برق کی سی حسین۔

موجیں ساحلِ بحر کو گدگدا دیتی ہیں، کھلی ہوئی پنکھڑیاں آفتاب کی زرّیں شعاعوں کو اپنے میں جذب کر لیتی ہیں اور عندلیبوں نے موسیقی تیز تر کر دی لیکن تصورات جمیل کی پامالی نے مجھے کسی بے حس جذبہ کی طرح ساکت کر دیا ہے اور اُن کی خوں گشتگی نے افسردہ!۔ میری روح گُم ہے اور ہستی بیچارگی کے آنسوؤں میں ملی ہوئی۔

یہ بہار کی ایک پُرکیف صبح ہے اور حد سے بڑھ کر حسین! ممکن ہے کہ یوں ہی ہو لیکن میرے لئے تو اک آوازِ شکست سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کشتیوں کے بادبان سطحِ آب پر

اُڑے جارہے ہیں جیسے پرندے نیلگوں آسمان میں پَر پھیلائے ہوئے ہوں صبح اک پھول کی طرح شگفتہ ہے اور دامنِ کوہ سے بادل بیدار ہو رہے ہیں۔

لیکن مجھے اس سے کیا سروکار اور ماحول کی کیف آفرینیوں سے کیا واسطہ! یہاں تو خونِ آرزو کا ماتم کرتا ہوا دل ہے اور تمناؤں کے برباد ہو جانے کی تشاکی روح!

اس کے علاوہ اک گوشۂ تنہائی ہے یا میں تخیلات کی دنیا میں محو۔ تمہاری رفاقت میں گزارے ہوئے محدود عرصہ کی یاد ہے اور ہوس کی ناتمامی کا گلہ۔

آہ! وہ رفتہ زمانہ! جب میری دنیا محض تم سے آباد تھی اور تم سے وابستہ لیکن فرشتۂ اجل کے اشارے نے ہم دونوں کو جدا کر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے علیحدہ

لیکن تن کو جان سے بعید کر کے بھی وہ روح پر قابو نہ پا سکا۔ میری اُداس اُداس روح! وہ تو اب بھی تمہاری تلاش میں سرگرداں ہے اور تفکرات سے کھوئی کھوئی۔

کسی برق زدہ درخت کی طرح پاش پاش دل ہے اور منتشر ذراتِ حیات!

ورقِ تقدیر

گھنٹے دِنوں میں تبدیل ہوتے جاتے ہیں اور دِن بسرعت تمام سالوں میں۔ وہی مسلسل جمود ہے اور بڑھتی ہوئی یکسانیت زِیست کسی ویران صحرا کی طرح گزر رہی ہے۔ ایک بے برگ و گلہائے رنگیں گلشن کی طرح اجسے فطرت کے ظالم اور خونخوار ہاتھوں نے نوچ کر رکھ دیا ہو۔ اُسکی ایک ایک پتّی کی پنکھڑی پنکھڑی کو علٰیحدہ کر دیا ہو۔

وقت اپنی پُرانی رفتار سے رواں ہے۔ برق اسا تیزی اور قطرۂ حباب کی سی ناپائیداری سے۔ ہر آنے والا دِن لمحاتِ معیّن پر گزر جاتا ہے بغیر کوئی نشان یا چھوڑے۔ نگاہوں سے دور ہو جاتا ہے اور ستاروں سے آگے والے جہانوں میں آوارہ خرام۔ جیسے اک پرِ کاہ غصیلے سمندر کی گہرائیوں میں کھو کر رہ جائے۔

سرما کی بھیگی بھیگی صبح اپنے بعد بہار کی شگفتگی کا پیغام دیتی ہے اور ہر تاریک ابر اپنی جگہ روشن آفتاب کو دے دیتا ہے لیکن معبود! زندگی؟ یہ کیا ہے۔ مجموعۂ حوادث

اور آ ما جگاہِ ناکامی! میری آنکھوں میں افسردگی کے آنسو تیر رہے ہیں روح دریائے الم میں غرق غرق ہے اور بڑھتے ہوئے تفکرات میں غلطاں و پیچاں۔

آفتابِ مشرقی جھروکے سے مسکراتا ہوا نکلتا ہے۔ اک گلابی سی صندل فشانی دہر پر چھا گئی جیسے تقدیر کے فرشتے اک نیا ورقِ حیات الٹ رہے ہوں۔

نسیم غنچوں کا منہ دھلا رہی ہے کلیوں کو متبسم ہونا سکھاتی ہے اور غنچوں کو خنداں۔

شفق کی سرخی بڑھتے بڑھتے گہری ہوگئی اور دہر کی درخشانی لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر ہے۔ معبودا! کہیں آسمانی خلاؤں میں حیات کے اوراق تو نہیں الٹے جاتے۔ تقدیر کی پیچیدہ کڑیاں تو حل نہیں ہو رہی ہیں۔

اشک آلود نگاہیں بار بار شفق پر پڑتی ہیں کسی شگفتہ سے ورقِ حیات کے الٹنے کی منتظر ہیں اور اسکی کامرانی کی آرزومند۔

لیلائے شب

ردائے عنبریں میں سمٹی سمٹائی رات تو کس قدر حسین ہے

اور کیسی پُر شکوہ!

جب دن بھر کی تگ و دو کے بعد کائنات پکار اٹھتی ہے
یک لمحہ آرام کے لئے بے قرار ہو جاتی ہے اور تھک کر چُور چُور۔

اُس وقت تیری آمد اک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں
معلوم ہوتی۔ تیرے نازک نازک قدموں کی چاپ سُننے کو سماعت
ہمہ تن گوش ہو جاتی ہے اور دہر کا ذرّہ ذرّہ استقبال کو تیار۔

شہزادیٔ شعلیں شب! اگر تو نہ ہوتی تو نہ معلوم کیا ہوتا
شاید ہستی کی آدھی رعنائیاں ختم ہو کر رہ جاتیں۔ یہ طویل طویل سا
یوصۂ حیات کاٹے نہ کٹتا۔ سکون و طمانیت کا نام عنقا ہو جاتا اور
تخیل اس مادی دہر میں ہی بھٹکتا پھرتا۔

ہزاروں تھکی تھکی روحیں فضا میں گشت کرتی رہتیں
محض تیری دید کی منتظر اور چشمۂ خواب کی اک بوند حاصل کرنے کو
بیتاب تاکہ زندگی کی آفتوں کو کچھ دیر کے لئے راحتوں میں تبدیل
کر سکیں اور دُکھ کو مبدّل بہ سُکھ۔

بچّوں کے لئے تو اک خوشگوار تحفۂ راحت سے کم نہیں
بوڑھے تیرے آنے پر کلمۂ شکر پڑھتے ہیں اور شعرا کی چمکیلی آنکھوں میں
تو خواب بن کر چھا جاتی ہے:-

حسینۂ مہ جبین! اکثر شورش ہائے زیست سے تنگ آ کے
میں تیری پناہ میں عافیت حاصل کرتی ہوں۔ تصور ہی تصور
میں تیرے موسم بہار کی طرح شگفتہ چہرے کی زیارت کرتی ہوں
صد لئے کیف آگیں سے لطف اندوز ہوتی ہوں تو تیری رفاقت پر آسودہ
لیکن بعض اوقات نہ معلوم کیوں؟ تو بھی مجھ سے بیگانہ
ہو جاتی ہے۔ ناتمام آرزوؤں کی طرح ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور
عرصۂ حیات سے بیزار کر دیتی ہے۔

ایسے میں مجھ پر یاد ازمنۂ ماضیہ حاوی ہو جاتی ہے
دہر کی جانستانی سکون قلبی کو زیر و زبر کرنے لگتی ہے اور روح
کو فضاؤں میں لرزاں لرزاں۔ کاش! کہ میں تیرے سیاہ
دامن میں ہمیشہ کے لئے پناہ لے سکتی۔

زندگی کی الجھنوں سے دور اور اسکی شور شوں سے بے نیاز
تیری موسیقی کی میٹھی میٹھی صدا مجھے مدہوش کر دیتی
اور روح کو بخشتی سرور! موسم بہار کی تتلیوں کی طرح جو
گلاب کی جھاڑیوں کے گرد رقص کیا کرتی ہیں مسرور از
انبساط و مسرت جاودانی۔

افسردگی

بہار کی پُر کیف اور حسین صبح ہے۔ دہر از سر نو تازہ دم ہو رہا ہے عندلیب شاداں ہے اور کلیاں فرحاں بکھر بکھرائی ہوئی سنہری کرنیں حیات کے لطیف رازوں سے آگاہ کرتی ہیں

جبین کائنات سے ماندگی کی شکن دور ہو گئی۔ بادلوں کے ہجوم میں آفتاب اسطرح چمک رہا ہے جیسے کوئی سماوی دیوتا تبسم ہو۔

حسین تتلیاں اپنے پروں کی سرسراہٹ سے گلوں کو احساس رفاقت دلاتی ہیں۔ بادِ سحر کے لطیف جھونکوں سے پھول کی پتیوں پر سے شبنم کے قطرے گرتے ہیں۔

کائنات شاداب ہے اور خنداں! جیسے سالہا سال کے بعد مینہ سے سیراب ہوئی ہو۔

چپہ چپہ سے شعریت ٹپک رہی ہے۔ ماحول روح آسا ہے اور فضا دل فریب!

لیکن ایک پژمردہ دل کو یہ مناظر متاثر کرنے سے معذور ہیں۔ اس کے لئے کیف آفرینی کائنات میں کوئی کشش نہیں اور نہ شفق کے بدلتے ہوئے رنگوں میں کچھ دلچسپی۔

ہلکی اور فرحت بیز ہوا پتّوں کو سہرا رہی ہے جیسے کوئی
حسین سی غیر مرئی روح ہنستے ہنستے پر قہقہہ لگا رہی ہو۔ فضاؤں کو
مرتعش کر دینے والے نقرئی قہقہے! موسم بہار کی جنوں پسند
لیلیٰ! آم کے درخت پر بیٹھی کوک رہی ہے اور آبشار کی
گوہر افشانی اک سہانا سا شور پیدا کرتی ہے۔

لیکن وہ افسردہ روح! جس کی زندگی کی سب
شورشیں خاموش ہیں اور آرزوئیں ساکت! درخشاں صبح کو
بھی ابر آلود سحر سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ آفتابی شعاعیں اسکے
گوشہ ہائے قلب کو تازگی بخشنے سے معذور ہیں اور بادلوں
کی دلفریبی اس کی پژمردگی زائل کرنے کے ناقابل۔

دنیائے تخیّل

سحر کا ملگجا سا دلفریب سماں ہے۔ ہلکی ہلکی ہوا درختوں
پتیوں سے سنسنا رہی ہے۔ اوراقِ گل پر قطراتِ شبنم رقص کرتے ہیں
اور بادلوں کے شوخ و خوشرنگ ٹکڑے ایک دوسرے کے
تعاقب میں سرگرم ہیں۔

جیسے باغِ عدن کی مقدس روحیں آنکھ مچولی کھیل رہی ہوں
ستارۂ صبح آسمانی بلندیوں پر جگمگا رہا ہے نیند میں
بہنے والی موجیں بیدار ہو چکی ہیں سورج اپنے آتشیں جھروکے
سے مسکراتا ہوا نکل رہا ہے اور چنبیلی کے پھولوں پر اوس کے
قطرے چمک رہے ہیں۔

جیسے حسین عروسِ شب کی آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسو
منجمد ہو کر رہ گئے ہوں۔

جھیل کے خاموش نیلے پانی پر آفتاب طلوع ہو گیا
پہاڑوں کی ابھرتی اور پھیلتی قطاریں اس کی روشنی میں جگمگا
رہی ہیں آسمان پر کہیں کہیں بادل کے ٹکڑے نظر آ جاتے ہیں
اور موجوں کے سینے پر سپید سپید پروں والے جانور پرواز کرتے ہیں
جیسے یاس کی تاریکی میں امید کی کرنیں لہریں مار رہی ہوں۔
شفق کی سرخی آہستہ آہستہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ نسیم
صبحگاہی کی دلآویزیاں ترقی پذیر ہیں، فضائیں ہلکی ہلکی سی فردوسی
جنبش ہے اور موسیمِ گرما کا شوریلا سمندر دھیرے دھیرے گرج رہا ہے
جیسے فطرت سازِ آسمانی پر کوئی مدھر گیت گا رہی ہو۔

جانستانی حیات

رات سرد ہے اور آنسوؤں کی طرح گیلی !! اکاّ دُکاّ
دھندلا سا ستارہ سطحِ آسمان پر نظر آجاتا ہے اور پرانا چاند درختوں
کے پیچھے اُٹھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے ۔

زندوں پر رات کی تاریکی چھا چکی ہے اور فضا پر سکوت
کی قلمرو کا سکّہ چل رہا ہے ۔

ایسے وقت میں رات ستاروں سے سرگوشیاں
کر رہی ہے ۔ اپنے سناٹے میں کسی سے باتیں کرتی ہے ۔

میں کسی افسردہ دل قمری کی مانند خاموش ہوں ۔
مغموم اور غیر مطمئن ! آنکھیں کہر آلود صبح کی طرح ترین اور قلب پر
غلبۂ اداسی ! جیسے جولائی کی تاریک گھٹائیں آسمان پر ڈیرا ڈالے
رہتی ہیں

کاش ! کتابِ حیات ایسی جانستاں نہ ہوتی اور نہ
مشتمل بر اوراقِ پُرسوز ! اس کے ابواب کا خاتمہ ایسے تفکّرات
سے پُر ابواب پر نہ ہوتا اور نہ اسکی سطور میں درد و گداز ۔

فضا کی وسعتوں پر تاریکی کا پردہ پڑتا جاتا ہے کسی

ہیولانی تصور کی طرح غیر واضح سائے ہواؤں میں رقصاں ہیں
اور مبہم سا خوف جنباں۔

جانستانی حیات کا تصور میری دکھتی ہوئی رگ کو
چھیڑ رہا ہے اور مسلط بر دل و دماغ۔

کائنات پر چھائے ہوئے ہلکے ہلکے ہالے ایسے معلوم ہوتے
ہیں جیسے بے شمار روحیں ادھر ادھر اڑتی پھر رہی ہوں۔ اور
خوفناک شیطانی قہقہے لگا کے مجھے احساس بیچارگی دلاتی ہوں۔

غنچہ ہائے چمن

آفتاب مغربی وادیوں میں غروب ہو چکا ہے۔ پہاڑ پر
سے پانی ہلکی شورش کے ساتھ گرتا ہے اور موجوں کے ساحل بحر کو
تھپتھپانے کی آوازیں آرہی ہیں۔

ننھے ننھے معصوم غنچے چمن میں اس طرح متبسم ہیں جیسے
زندگی کی شورشوں سے بے نیاز ہوں اور اسکی جانستانیوں سے بیگانہ

چاند کی قرمزی شعاعیں ان کی پنکھڑیوں میں جذب
ہو رہی ہیں، ہر چہار طرف سرد سی جگمگاہٹ رقص کرتی ہے اور

ننھے ننھے غنچے آسمانی ستاروں کا مقابلہ کر رہے ہیں، دلفریبی میں ان سے بڑھ کر ہیں اور لطافتوں میں کہیں اعلیٰ۔

چیل اور دیودار کے بلند قامت درخت ساکت ہیں چنگ و رباب کی سحر آفرینیاں ماند پڑتی جاتی ہیں اور جھینگروں نے اپنی موسیقی تیز تر کر دی اور کائنات پر ایک کیف سا طاری ہے اور ذرے ذرے پر سکون حاوی۔

لیکن معصوم و حسین غنچے! خود بخود کھلے پڑتے ہیں جیسے ان کی محدود دنیا میں ہر طرف راحت ہی راحت ہو اور دکھ درد کا کہیں نام ہو اور نہ نشان! گزرتے ہوئے وقت کی سرسراہٹ ان کے لئے متعجب کن ہے اور حیرت انگیز! وہ اپنی نازک پنکھڑیوں کو وا کر کے چاند کی شوخی، ستاروں کی شرارت اور ہواؤں کی چھیڑ چھاڑ پر تعجب ظاہر کرتے ہیں لیکن اس امر سے شاید بیخبر! کہ پاکیزگی میں وہ خود اُن سب سے بڑھ کر ہیں۔

اپنے بے ضرر کھیلوں میں محو۔ بیگانہ از ماحول غنچے مصروفِ چمن آرائی ہیں۔ نہ معلوم کس وقت! شاید آفتاب کی مقناطیسی نگاہ پڑتے ہی کمھلا کر خاکستر ہو جائیں۔

شگفتگی

خزاں کی زردی غنچہ کی چٹک کی طرح غائب ہو چکی ہے
کائنات پر سرورِ بیکراں اور لطیف سی لرزش طاری ہے جیسے کیفِ
حیات سے لبریز میٹھے میٹھے سانس لے رہی ہو۔ اوراقِ گل پر قطراتِ
شبنم رقصاں ہیں غنچے خنداں اور کلیاں متبسم۔
بلبل کے سرود ترقی پذیر ہیں اور سمندر کی آواز سریلی و مدھری
پریشان روحیں اک ہلکی سی فردوسی جنبش سے شگفتہ ہو چکی
ہیں جیسے گلاب کے کھلے ہوئے پھول روحِ حیات جذب کر رہے ہوں
قرمزی اور بنفشی بادل نہ ختم ہونے والی قطاروں میں
اُڑتے پھرتے ہیں جھونکوں کی مسلسل چھیڑ چھاڑ سے پتوں میں جنبش
جاری ہے اور آفتاب کی تیز کرنیں اس طرح پھیل رہی ہیں جیسے
ہلکی ہلکی برف پہاڑوں سے پھسل رہی ہو۔
شاعر کے خواب کا سا چمکیلا ماحول ہے اور گل بداماں
و بہار ساماں کائنات! قلوب اِن پھولوں کی طرح کھلے ہوئے
ہیں جنھیں صبح کی ہوا گدگدا گئی ہو۔ ذرّہ ذرّہ اس طرح شگفتہ
ہو رہا ہے جیسے بارش کا پہلا چھینٹا پڑتے ہی پہاڑی نالوں میں

زندگی جاگ اُٹھتی ہے۔

خوش قسمت ہیں وہ روحیں! جن کے لئے بہارِ حیات پلٹ کر آتی ہے اور ہر لمحہ بڑھتی ہوئی شگفتگی۔ اور! اور!! کیسی قابلِ رحم ہے ان کی حالت؟ جو اس وقت بھی احساسات کے سمندر میں بہہ رہے ہوں۔ باریکیوں کی تلاش کر رہے ہوں

خواہش ناکام

شب کی گہری گہری تاریکی نے ہر شئے کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ نیند کی اوس پلکوں کو خواب کے خوشگوار بوجھ سے جھکائے ہوئے ہے اور تحت الثریٰ کی روحیں کائنات کو اپنی لرزہ خیز چیخوں سے لرزا رہی ہیں۔

کائنات پر شہر خموشاں کا سا سکوت طاری ہے اور صحرا جیسی خاموشی جاری۔

لیکن! لیکن!! یہ دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی سرسراہٹ کیسی ہے؟ جیسے فروری میں درختوں کے پتے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں اور یہ غیر متوقع لرزش! کہیں کوئی خواہش تو خوابِ مسرت

نہیں دیکھ رہی اور اُسکی تعبیر کی متمنی! یا رُباب زیست کے متلاطم نغمہ نے اس میں تھرتھراہٹ پیدا کر دی!!!

مقدس معبود! یہ بڑھتی ہوئی سرسراہٹ کیسی ہے؟ اور یہ ترقی پذیر لرزش! دنیائے تخیل میں سیکڑوں خواہشیں پرورش پاتی رہتی ہیں۔ خونِ قلب سے سینچی ہیں اور بادِ مراد سے روحِ حیات حاصل کرتی ہیں۔

لیکن ہولئے یاس کا محض ایک جھونکا انھیں پژمردہ کر دیتا ہے اور شجر آرزو سے علحدہ۔

تو پھر جب ہر شئے تاریکی کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے اور دہر غرقِ خواب فراموشی۔

تو دل کی گہرائیوں میں یہ ہلکی ہلکی لرزش کیوں؟ اور پریشان کن کپکپاہٹ کیسی؟۔ معبود! مقدس معبود!! کوئی خواہش ناکام دمِ واپسیں تو نہیں لے رہی۔

خوابہائے زندگی

یہ زندگی! آہ یہ زندگی! جسے ہم اک نوشگفتہ غنچہ سمجھتے تھے

آغوشِ نور میں شگفتگی حاصل کرتا ہوا غنچہ ! جیسے کائنات کی
دل فریبیاں تقویم حیات عطا کرتی ہوں اور اسکے دلفریب مناظر
زندگی کا رس ! ...... اس خزاں رسیدہ پھول سے کم نہیں
جس کی پنکھڑیاں فضا میں منتشر ہو جائیں اور خوشبو کائنات
کی وسعتوں میں جذب ۔ اور یہ زندگی ! جسے ہم اک افسانوی
رات کی طرح حسین سمجھتے تھے اک اندھیرے کنوئیں کے مانند
تاریک ہے جہاں کبھی آخری شعاعِ آفتاب نے بھی نہ جھانکا ہو جو
شرمندۂ درخشانی ہو اور شعاعِ آفتاب کو ترستا ہوا ۔
یہ جرعاتِ رنج و محن سے لبریز ہے اور بڑھتی ہوئی
تلخیوں سے معمور ۔

اور یہ زندگی ! جسے ہم سمجھتے تھے کہ پُر از نشاط ہوگی اور
مخزنِ مسرت ! اک مجموعہ ہے تفکرات کا جو ہر لمحہ پیچیدہ تر ہوتے
جاتے ہیں جو روح کو غلطاں و پیچاں رکھتے ہیں اور قلب کو
اپنی گہرائیوں میں کھو یا کھویا ۔

جب آفتاب اپنے آتشیں جھروکے سے جھانکتا ہے
اور اس کی سرخ سرخ شعاعیں پہاڑیوں پر لڑکھڑانے لگتی ہیں
تو کسی لرزاں شعلۂ فانوس کی طرح میری روح اور

نالے

گرجتے ہوئے طوفانی بادل دوشِ نسیم پر اُڑتے پھرتے ہیں چیل اور دیودار کے درختوں پر طیور چہچہا رہے ہیں اور پہاڑیوں سے پانی ہلکی ہلکی شورش کے ساتھ گزر رہا ہے۔

چپّہ چپّہ معمور از زیست ہے اور ذرّہ ذرّہ حیات کی لہریں مارتا ہوا۔ کائنات، نغماتِ چنگ و رباب کی طرح سحر آفریں بنی ہوئی ہے اور تبسمِ برق کی سی حسین۔

موجیں ساحلِ بحر کو لگا دیتی ہیں، کھلی ہوئی پنکھڑیاں آفتاب کی زرّیں شعاعوں کو اپنے میں جذب کر رہی ہیں اور عندلیبوں نے موسیقی تیز تر کر دی لیکن تصوراتِ جمیل کی پامالی نے مجھے کسی بے حس جذبہ کی طرح ساکت کر دیا ہے اور اُن کی خوں گشتگی نے افسردہ!۔ میری روح گُم ہے اور ہستی بیچارگی کے آنسوؤں میں ملی ہوئی۔

یہ بہار کی ایک پُرکیف صبح ہے اور حد سے بڑھکر حسین! ممکن ہے کہ یوں ہی ہو لیکن میرے لئے تو اک آوازِ شکست سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کشتیوں کے بادبان سطحِ آب پر

اُڑے جا رہے ہیں جیسے پرندے نیلگوں آسمان میں پر پھیلائے ہوئے ہوں صبح اک پھول کی طرح شگفتہ ہے اور دامنِ کوہ سے بادل بیدار ہو رہے ہیں۔

لیکن مجھے اس سے کیا سروکار اور ماحول کی کیف آفرینیوں سے کیا واسطہ! یہاں تو خونِ آرزو کا ماتم کرتا ہوا دل ہے اور تمناؤں کے برباد ہو جانے کی تشنا کی روح!

اس کے علاوہ اک گوشۂ تنہائی ہے یا میں تخیلات کی دنیا میں محو۔ تمھاری رفاقت میں گزارے ہوئے محدود عرصہ کی یاد ہے اور ہوس کی ناتمامی کا گلہ۔

آہ! وہ رفتہ زمانہ! جب میری دنیا محض تم سے آباد تھی اور تم سے وابستہ لیکن فرشتۂ اجل کے اشارے نے ہم دونوں کو جدا کر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے علیحدہ لیکن تن کو جان سے بعید کر کے بھی وہ روح پر قابو نہ پا سکا۔ میری اُداس اُداس روح! وہ تو اب بھی تمھاری تلاش میں سرگردان ہے اور تفکرات سے کھوئی کھوئی۔

کسی برق زدہ درخت کی طرح پاش پاش دل ہے اور منتشر ذراتِ حیات!

ورقِ تقدیر

گھنٹے دنوں میں تبدیل ہوتے چلے جاتے ہیں اور دن بسرعت تمام سالوں میں۔ وہی مسلسل جمود ہے اور بڑھتی ہوئی یکسانیت زیست کسی ویران صحرا کی طرح گزر رہی ہے۔ ایک بے برگ و گلہائے رنگیں گلشن کی طرح جسے فطرت کے ظالم اور خونخوار ہاتھوں نے ذبح کر رکھ دیا ہو۔ اسکی ایک ایک پتی کی پنکھڑی پنکھڑی کو علیحدہ کر دیا ہو۔

وقت اپنی پرانی رفتار سے رواں ہے۔ برق اسا تیزی اور قطرۂ حباب کی سی ناپائیداری سے۔ ہر آنے والا دن لمحاتِ معین پر گزر جاتا ہے بغیر کوئی نشان پا چھوڑے۔ نگاہوں سے دور ہو جاتا ہے اور ستاروں سے آگے والے جہانوں میں آوارہ خرام۔ جیسے اک پرِ کاہ غضیلے سمندر کی گہرائیوں میں کھو کر رہ جائے۔

سرما کی بھیگی بھیگی صبح اپنے بعد بہار کی شگفتگی کا پیغام دیتی ہے اور ہر تاریک ابر اپنی جگہ روشن آفتاب کو دے دیتا ہے لیکن معبود! زندگی؟ یہ کیا ہے۔ مجموعۂ حوادث

اور آماجگاہِ ناکامی! میری آنکھوں میں افسردگی کے آنسو تیر رہے ہیں۔ روح دریائے الم میں غرق غرق ہے اور بڑھتے ہوئے تفکرات ہیں غلطان و پیچاں۔

آفتاب مشرقی جھروکے سے مسکراتا ہوا نکلتا ہے۔ اک ورسی ضوفشانی دہر پہ چھا گئی جیسے تقدیر کے فرشتے اک نیا ورقِ حیات الٹ رہے ہوں۔

نسیم غنچوں کا منہ دھلا رہی ہے۔ کلیوں کو متبسم ہونا سکھاتی ہے اور غنچوں کو خنداں۔

شفق کی سرخی بڑھتے بڑھتے گہری ہو گئی اور دہر کی درخشانی لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر ہے۔ معبودا! کہیں یہ آسمانی خلاؤں میں حیات کے اوراق تو نہیں الٹائے جاتے۔ تقدیر کی پیچیدہ کڑیاں تو حل نہیں ہو رہیں

اشک آلود نگاہیں بار بار شفق پر پڑتی ہیں کسی شگفتہ سے ورقِ حیات کے الٹنے کی منتظر ہیں اور اسکی کامرانی کی آرزومند

لیلائے شب

ردائے عنبریں میں سمٹی سمٹائی رات تو کس قدر حسین ہے

اور کیسی پُر شکوہ !

جب دن بھر کی تگ و دو کے بعد کائنات پُکار اُٹھتی ہے
یک لمحہ آرام کے لئے بے قرار ہو جاتی ہے اور تھک کر چُور چُور۔
اُس وقت تیری آمد اک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں
معلوم ہوتی۔ تیرے نازک قدموں کی چاپ سُننے کو سماعت
ہمہ تن گوش ہو جاتی ہے اور دہر کا ذرہ ذرہ استقبال کو تیار۔
شہزادی مشکیں نسب! اگر تو نہ ہوتی تو نہ معلوم کیا ہوتا
شاید ہستی کی آدھی رعنائیاں ختم ہو کر رہ جاتیں۔ یہ طویل طویل
عرصۂ حیات کاٹے نہ کٹتا۔ سکون و طمانیت کا نام عنقا ہو جاتا اور
تخیل اس مادی دہر میں ہی بھٹکتا پھرتا۔

ہزاروں تھکی تھکی روحیں فضا میں گشت کرتی رہتیں
محض تیری دید کی منتظر اور چشمۂ خواب کی اِک بوند حاصل کرنے کو
بیتاب تاکہ زندگی کی آفتوں کو کچھ دیر کے لئے راحتوں میں تبدیل
کر سکیں اور دُکھ کو مبدل بہ سُکھ۔

بچوں کے لئے تو اک خوشگوار تحفۂ راحت سے کم نہیں
بوڑھے تیرے آنے پر کلمۂ شکر پڑھتے ہیں اور شعرا کی چمکیلی آنکھوں میں
تو خواب بن کر چھا جاتی ہے :-

حسینۂ مہ جبین! اکثر شورش ہائے زیست سے تنگ آ کے
میں تیری پناہ میں عافیت حاصل کرتی ہوں۔ تصور ہی تصور
میں تیرے موسم بہار کی طرح شگفتہ چہرے کی زیارت کرتی ہوں
صد ہائے کیف آگیں سے لطف اندوز ہوتی ہوں۔ تیری رفاقت میں آسودہ
لیکن بعض اوقات نہ معلوم کیوں؟ تو بھی مجھ سے بیگانہ
ہو جاتی ہے۔ ناتمام آرزوؤں کی طرح ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور
عرصۂ حیات سے بیزار کر دیتی ہے۔

ایسے سمے میں مجھ پر یاد ازمنۂ ماضیہ حاوی ہو جاتی ہے
دہر کی جانستانی سکونِ قلبی کو زیر و زبر کر دیتی ہے اور روح
کو فضاؤں میں لرزاں لرزاں۔ کاش! کہ میں تیرے سیاہ
دامن میں ہمیشہ کے لئے پناہ لے سکتی

زندگی کی الجھنوں سے دور اور اسکی شورشوں سے بے نیاز
تیری موسیقی کی میٹھی میٹھی صدا مجھے مدہوش کر دیتی
اور روح کو بخشتا و مسرور را۔ موسم بہار کی تتلیوں کی طرح جو
گلاب کی جھاڑیوں کے گرد رقص کیا کرتی ہیں معمور از
انبساط و مسرت جاودانی۔

افسردگی

بہار کی پُر کیف اور حسین صبح ہے۔ دہر از سر نو تازہ دم ہو رہا ہے عندلیب شاداں ہے اور کلیاں فرحاں بکھر بکھرائی ہوئی سنہری کرنیں حیات کے لطیف رازوں سے آگاہ کرتی ہیں
جبین کائنات سے ماندگی کی شکن دور ہو گئی۔ بادلوں کے ہجوم میں آفتاب اسطرح چمک رہا ہے جیسے کوئی سماوی دیوتا متبسم ہو۔
حسین تتلیاں اپنے پروں کی سرسراہٹ سے گلوں کو احساس رفاقت دلاتی ہیں۔ بادِ سحر کے لطیف جھونکوں سے پھول کی پتیوں پر سے شبنم کے قطرے گرتے ہیں۔
کائنات شاداب ہے اور خنداں ایسے سالہا سال کے بعد مینہ سے سیراب ہوئی ہو۔
چپہ چپہ سے شعریت ٹپک رہی ہے۔ ماحول روح آسا ہے اور فضا دل فریب!
لیکن ایک پژمردہ دل کو یہ مناظر متاثر کرنے سے معذور ہیں۔ اس کے لئے کیف آفرینی کائنات میں کوئی کشش نہیں اور نہ شفق کے بدلتے ہوئے رنگوں میں کچھ دلچسپی۔

ہلکی اور فرحت بیز ہوا پتّوں کو سہلا رہی ہے جیسے کوئی حسین سی غیر مرئی روح ہاتھ سے قہقہے پر قہقہہ لگا رہی ہو۔ فضاؤں کو مرتعش کر دینے والے نقرئی قہقہے! موسم بہار کی جنوں پسند لیلیٰ آم کے درخت پر بیٹھی کوک رہی ہے اور آبشار کی گوہر افشانی اک سہانا سا شور پیدا کرتی ہے۔

لیکن وہ افسردہ روح! جس کی زندگی کی سب شورشیں خاموش ہیں اور آرزوئیں ساکت! درخشاں صبح کو بھی ابر آلود سحر سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ آفتابی شعاعیں اسکے گوشہ ہائے قلب کو تازگی بخشنے سے معذور ہیں اور بادلوں کی دلفریبی اس کی پژمردگی زائل کرنے کے ناقابل۔

دنیائے تخیل

سحر کا ملگجا سا دلفریب سماں ہے۔ ہلکی ہلکی ہوا درختوں کو سلا رہی ہے۔ اوراقِ گل پر قطراتِ شبنم رقص کرتے ہیں اور بادلوں کے شوخ و خوشرنگ ٹکڑے ایک دوسرے کے تعاقب میں سرگرم ہیں۔

جیسے باغ عدن کی مقدس روحیں آنکھ مچولی کھیل رہی ہوں
ستارۂ صبح آسمانی بلندیوں پر جگمگا رہا ہے نیند میں
بہنے والی موجیں بیدار ہو چکی ہیں سورج اپنے آتشیں جھروکے
سے مسکراتا ہوا نکل رہا ہے اور چنبیلی کے پھولوں پر اوس کے
قطرے چمک رہے ہیں۔

جیسے حسین عروس شب کی آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسو
منجمد ہو کر رہ گئے ہوں۔

جھیل کے خاموش نیلے پانی پر آفتاب طلوع ہو گیا
پہاڑوں کی ابھرتی اور پھیلتی قطاریں اس کی روشنی میں جگمگا
رہی ہیں آسمان پر کہیں کہیں بادل کے ٹکڑے نظر آجاتے ہیں
اور موجوں کے سینے پر سپید سپید پروں والے جانور پرواز کرتے ہیں
جیسے یاس کی تاریکی میں آس کی کرنیں لہریں مار رہی ہوں۔

شفق کی سرخی آہستہ آہستہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ نسیم
صبحگاہی کی دلآویزیاں ترقی پذیر ہیں، فضا میں ہلکی ہلکی سی فردوسی
جنبش ہے اور موسم گرما کا شوریلا سمندر دھیرے دھیرے گرج رہا ہے
جیسے فطرت ساز آسمانی پر کوئی مدھر اگیت گا رہی ہو۔

جانستانی حیات

رات سرد ہے اور آنسوؤں کی طرح گیلی!! اِکّا دُکّا
دھندلا سا ستارہ سطحِ آسمان پر نظر آجاتا ہے اور پرانا چاند درختوں
کے پیچھے سے اُٹھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

زندوں پر رات کی تاریکی چھا چکی ہے اور فضا پر سکوت
کی قلمرو کا سکّہ چل رہا ہے۔

ایسے وقت میں رات ستاروں سے سرگوشیاں
کر رہی ہے۔ اپنے سناٹے میں کس سے باتیں کرتی ہے۔

میں کسی افسردہ دل قمری کی مانند خاموش ہوں۔
مغموم اور غیر مطمئن! آنکھیں کہر آلود صبح کی طرح ترہیں۔ قلب پر
غلبۂ اُداسی! جیسے جولائی کی تاریک ساگھٹائیں آسمان پر ڈیرا ڈالے
رہتی ہیں

کاش! کتابِ حیات ایسی جانستاں نہ ہوتی اور نہ
مشتمل بر اوراقِ پُرسوز! اس کے ابواب کا خاتمہ ایسے تفکّرات
سے پُر ابواب پر نہ ہوتا اور نہ اسکی سطوروں میں درد و گداز۔

فضا کی وسعتوں پر تاریکی کا پردہ پڑتا جاتا ہے کبھی

ہیولانی تصور کی طرح غیر واضح سائے ہواؤں میں رقصاں ہیں اور مبہم سا خوف جنباں۔

جانستانی حیات کا تصور میری دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑ رہا ہے اور مسلط بر دل و دماغ۔

کائنات پر چھائے ہوئے ہلکے ہلکے ہالے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے بے شمار روحیں ادھر ادھر اڑتی پھر رہی ہوں۔ اور خوفناک شیطانی قہقہے لگا کے مجھے احساس بیچارگی دلاتی ہوں۔

غنچہ ہائے چمن

آفتاب مغربی وادیوں میں غروب ہو چکا ہے پہاڑیوں سے پانی ہلکی شورش کے ساتھ گرتا ہے اور موجوں کے ساحل بحر کو تھپتھپانے کی آوازیں آ رہی ہیں۔

ننھے ننھے معصوم غنچے چمن میں اس طرح متبسم ہیں جیسے زندگی کی شورشوں سے بے نیاز ہوں اور اسکی جانستانیوں سے بیگانہ

چاند کی قرمزی شعاعیں ان کی پنکھڑیوں میں جذب ہو رہی ہیں، ہر چہار طرف سرمدی جگمگاہٹ رقص کرتی ہے او

ننھے ننھے غنچے آسمانی ستاروں کا مقابلہ کر رہے ہیں، دلفریبی میں ان سے بڑھ کر ہیں اور لطافتوں میں کہیں اعلیٰ۔

چیل اور دیودار کے بلند قامت درخت ساکت ہیں چنگ و رباب کی سحر آفرینیاں ماند پڑتی جاتی ہیں اور جھینگروں نے اپنی موسیقی تیز تر کر دی اور کائنات پر ایک کیف سا طاری ہے اور ذرے ذرے پر سکون حاوی۔

لیکن معصوم و حسین غنچے! خود بخود کھلے پڑتے ہیں جیسے ان کی محدود دنیا میں ہر طرف راحت ہی راحت ہو اور دکھ درد کا کہیں نام ہو اور نہ نشان! گزرتے ہوئے وقت کی سرسراہٹ ان کے لئے متعجب کن ہے اور حیرت انگیز! وہ اپنی نازک پنکھڑیوں کو وا کر کے چاند کی شوخی، ستاروں کی شرارت اور ہواؤں کی چھیڑ چھاڑ پر تعجب ظاہر کرتے ہیں لیکن اس امر سے شاید بیخبر! کہ پاکیزگی میں وہ خود ان سب سے بڑھ کر ہیں۔

اپنے بے ضرر کھیلوں میں محو۔ بیگانہ از ماحول غنچے مصروف چمن آرائی ہیں۔ نہ معلوم کس وقت! شاید آفتاب کی مقناطیسی نگاہ پڑتے ہی کمھلا کر غاکستر ہو جائیں۔

شگفتگی

خزاں کی زردی غنچہ کی چٹک کی طرح غائب ہو چکی ہے
کائنات پر سرور بیکراں اور لطیف سی لرزش طاری ہے جیسے کیف
حیات سے لبریز میٹھے میٹھے سانس لے رہی ہو۔ اوراقِ گل پر قطرات
شبنم رقصاں ہیں غنچے خنداں اور کلیاں متبسم۔

بلبل کے سرود ترقی پذیر ہیں اور سمندر کی آواز سریلی و مدھری
پریشان روحیں اک ہلکی سی فردوسی جنبش سے شگفتہ ہو چکی
ہیں جیسے گلاب کے کھلے ہوئے پھول روحِ حیات جذب کر رہے ہوں۔

قرمزی اور بنفشی بادل نہ ختم ہونے والی قطاروں میں
اڑتے پھرتے ہیں جھونکوں کی مسلسل چھیڑ چھاڑ سے پتوں میں جنبش
جاری ہے اور آفتاب کی تیز کرنیں اس طرح پھیل رہی ہیں جیسے
ہلکی ہلکی برف پہاڑوں سے پھسل رہی ہو۔

شاعر کے خواب کا سا چمکیلا ماحول ہے اور گُل بداماں
و بہار ساماں کائنات! قلوب ان پھولوں کی طرح کھلے ہوئے
ہیں جنھیں صبح کی ہوا گُدگُدا گئی ہو۔ ذرّہ ذرّہ اس طرح شگفتہ
ہو رہا ہے جیسے بارش کا پہلا چھینٹا پڑتے ہی پہاڑی نالوں میں

زندگی جاگ اٹھتی ہے۔
خوش قسمت ہیں وہ روحیں! جن کے لئے بہارِ حیات بنِ لے کر آتی ہے اور ہر لمحہ بڑھتی ہوئی شگفتگی۔ اور! اور!! کیسی قابلِ رحم ہے ان کی حالت؟ جو اس وقت بھی احساسات کے سمندر میں بہہ رہے ہوں۔ باریکیوں کی تلاش کر رہے ہوں

خواہش ناکام

شب کی گہری گہری تاریکی نے ہر شے کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ نیند کی اوس پلکوں کو خواب کے خوشگوار بوجھ سے جھکائے ہوئے ہے اور تحت الثریٰ کی روحیں کائنات کو اپنی لرزہ خیز چیخوں سے لرزا رہی ہیں۔
کائنات پر شہر خموشاں کا سا سکوت طاری ہے اور صحرا جیسی خاموشی جاری۔
لیکن! لیکن!! یہ دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی سرسراہٹ کیسی؟ جیسے فروری میں درختوں کے پتے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں اور یہ غیر متوقع لرزش! کہیں کوئی خواہش تو خواب مسرت

نہیں دیکھ رہی اور اسکی تعبیر کی متمنی! یا رُباب زلیست کے متلاطم نغمہ نے اس میں تھرتھراہٹ پیدا کر دی!!!

مقدس معبود! یہ بڑھتی ہوئی سرسراہٹ کیسی ہے؟ اور یہ ترقی پذیر لرزش! دنیائے تخیل میں سیکڑوں خواہشیں پرورش پاتی رہتی ہیں۔ خونِ قلب سے سینچتی ہیں اور بادِ مراد سے روحِ حیات حاصل کرتی ہیں۔

لیکن ہوائے یاس کا محض ایک جھونکا انھیں پژمردہ کر دیتا ہے اور شجرِ آرزو سے علحدہ۔

تو پھر جب ہر شے تاریکی کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے اور دہر غرقِ خواب فراموشی۔

تو دل کی گہرائیوں میں یہ ہلکی ہلکی لرزش کیوں؟ اور پریشان کُن کپکپاہٹ کیسی؟ معبود! مقدس معبود!! کوئی خواہشِ ناکام دمِ واپسیں تو نہیں لے رہی۔

خوابہائے زندگی

یہ زندگی! آہ یہ زندگی! جسے ہم اک نوشگفتہ غنچہ سمجھتے تھے

آغوشِ نور میں شگفتگی حاصل کرتا ہوا غنچہ!! جیسے کائنات کی
دل فریبیاں تقویمِ حیات عطا کرتی ہوں اور اسکے دلفریب مناظر
زندگی کا رس! ...... اس خزاں رسیدہ پھول سے کم نہیں
جس کی پنکھڑیاں فضا میں منتشر ہو جائیں اور خوشبو کائنات
کی وسعتوں میں جذب۔ اور یہ زندگی! جسے ہم اک افسانوی
رات کی طرح حسین سمجھتے تھے اک اندھیرے کنوئیں کے مانند
تاریک ہے جہاں کبھی آخری شعاعِ آفتاب نے بھی نہ جھانکا ہو جو
شرمندۂ درخشانی ہو اور شعاعِ آفتاب کو ترستا ہوا۔

یہ جرعاتِ رنج و محن سے لبریز ہے اور بڑھتی ہوئی
تلخیوں سے معمور۔

اور یہ زندگی! جسے ہم سمجھتے تھے کہ پُر از نشاط ہوگی اور
مخزنِ مسرت! اک مجموعہ ہے تفکرات کا جو ہر لمحہ پیچیدہ تر ہوتے
جاتے ہیں جو روح کو غلطاں و پیچاں رکھتے ہیں اور قلب کو
اپنی گہرائیوں میں کھویا کھویا۔

جب آفتاب اپنے آتشیں جھروکے سے جھانکتا ہے
اور اس کی سرخ سرخ شعاعیں پہاڑیوں پر لڑکھڑانے لگتی ہیں
تو کسی لرزاں شعلۂ فانوس کی طرح میری روح اور

بھی بے چین ہو جاتی ہے اور حیات کی الجھنوں سے آزاد ہونے کو بیتاب
پر آہ یہ زندگی! یہ شوریدہ زندگی!! اس کی گرفت تو لمحہ بہ لمحہ تیز تر ہوتی جاتی ہے اور بسرعت تمام مسلّط بروح!

لرزتے ہوئے سایو!

لرزتے ہوئے سایو مجھے درسِ فنا نہ سناؤ۔ آہ! بے ثباتیٔ دہر کا اس شدومد سے یقین نہ دلاؤ۔ میں جانتی ہوں کہ مقصدِ زیست ہی مبدّل بہ فنا ہو جانا ہے اور بہ حسرت و یاس دہر کو خیرباد کہنا۔
لیکن یہ احساس میری دنیائے آرزو کو متزلزل نہیں کرسکتا۔ نہیں! میں ان دلائل کی بنا پر اپنی بڑھتی ہوئی تمناؤں میں ہلچل نہیں مچا سکتی۔
میری ترقی پذیر خواہشیں! جو شبِ ماہ کی طرح درخشاں ہیں۔ ستاروں جیسی بلند اور معصوم تتلیوں کی سی بے ضرر۔
لرزاں و سوزاں سایو! تم اس طرح کانپ رہے ہو

جیسے موسم خزاں میں پتوں اور کلیوں پر موت کا عکس لرزتا ہے
لیکن لمحاتِ زیست اس سے متاثر کیوں ہوں۔
محدود لمحاتِ زیست جو سراب آسا ہیں اور چشم زدن میں ختم
ہوجانے والے۔ موسم بہار کی طرح عارضی ہیں اور قطراتِ شبنم جیسے فانی
تو پھر جب کارِ جہاں دراز ہو اور عرصۂ حیات مختصر! تو اس
زمانہ کو آہ وزاری میں کیوں گزارا جائے کیوں نہ گلوں کے قہقہوں
سے لطف اندوز ہوں اور کلیوں کے خندہ سے مسرور۔
مان لیا کہ شہرِ خموشاں کی وحشت ناک دیوار منتظر ہے
اور وہاں کی نمناک فضا ہر لمحہ سراپا انتظار۔
لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ حیات کی کشاکشوں کو
خیرباد کہہ دیں اور اس کی جدو جہد سے منہ موڑ لیں۔
یہ تو ناممکن ہے! قطعی ناممکن!! ورنہ آج دہر زندہ
کیونکر ہوتا اور کائنات بیدار۔ اُبھرتی ہوئی آرزوئیں تو دم
توڑ دیتیں اور خواہشیں سسک سسک کر بے دم ہوجاتیں۔
لیکن ایسا نہیں ہے اور دنیا مرکزِ اُمید پر قائم!
کبھی تو کسی آرزو کے بر آنے کی آرزو میں زندگی گزرتی جاتی ہے
اور خواہش کے تکمیل تک پہنچنے میں عرصۂ حیات ختم ہوجاتا ہے۔

مبہم لرزاں سایو! تم میری شوریدگی کا تمسخر اُڑاتے ہو
اور خواب ہائے حیات پر متبسم ہو۔
لیکن یہ تو میری روح کا ماخذ ہے اور حیات کا منبع۔
میری روح تو جسدِ خاکی سے علیحدہ ہونے پر بھی دہر سے تعلق
رکھے گی۔ اس کی افسردگی پرملول ہوگی اور مسرتوں سے خندہ زن۔
اسے تو مٹتی ہوئی اُمیدوں کا کفن ہٹا ہٹا کر جھانکنے
میں بھی عار نہیں اور نہ خون غلطیدہ حسرتوں کو تقویم حیات
پہنچانے میں ہرج سمجھتی ہے۔
میں "بیداری کے خوابوں" کو فنا کے زیب داستاں کے
لئے بڑھائے ہوئے افسانوں میں نہیں بدلنا چاہتی۔
آہ! میں کیونکر اپنے خیالوں کو متزلزل کردوں
اور آرزوؤں کو محدود۔
اس لئے مجسم لرزاں سایو! مجھے فرشتۂ اجل کی آمد آمد کی اطلاع نہ دو

ارمانوں کی کھیتی

بہار کی آغوش میں مچلنے والے پھولوں پر خزاں کی

زردی چھاگئی۔ غنچے خس وخاشاک پر پڑے سسک رہے ہیں اور آفت رسیدہ کلیاں محوِ گریہ۔

سراب آسا دہر نے ان کی دنیائے آرزو کو نگل لیا ہے اور ہر پُر سرور خواب کی تعبیر اُلٹی کر دی۔

اک اُجڑے ہوئے کُنج پر عندلیب دل گرفتہ خون کے آنسو رو رہی ہے۔ اُس کی پُر فغاں آواز اُس ماتمی راگ سے مشابہ ہے جو فضا کی سنسناہٹ کو اور بھی بڑھادے۔

بارانِ مسرّت کبھی میری آرزوؤں کی کھیتی پر بھی برستی تھی ہلکی ہلکی پھوار کی صورت میں اُسے شاداب رکھتی تھی اور فکرِ فردا سے نابلد۔

عرصۂ حیات یوں ہی گزرتا جا رہا تھا۔ مسرور وشاد شاد!! جیسے فضا میں مدھبری جھنجھناہٹ جاری ہو۔

لیکن جس طرح خزاں کا محض ایک جھونکا گلوں کی آرزوؤں کو برباد کر گیا اور تمناؤں کو خون غلطیدہ۔ انکے خوابوں کی سنہری تعبیریں اُلٹی ہو کر رہ گئیں اور مسرّت مبدّل بہ حسرت ویاس۔

اسی طرح نیرنگیٔ زمانہ میری طمانیت قلب کو بھی

جذب کر رہی ہے۔ صحرا کی پریشان ریت کی طرح! جسے
آخری قطرۂ بارش بھی سیراب نہیں کر سکتا۔
درختوں کے سائے جب شام کی سیاہی میں اور بھی لانبے
پڑ جاتے ہیں اور پرندے آشیانوں کی طرف روانہ ہوتے ہیں
تو میری افسردہ روح اور بھی متفکر ہو کر رہ جاتی ہے
اور قطراتِ رحمت کی تلاش میں آمادہ بہ پرواز۔
لیکن آہ! میرے ارمانوں کی کھیتی!! وہ تو لمحہ بہ لمحہ
خشک ہوتی جاتی ہے اور تپشِ حیات سے خاکستر۔

اِنبساطِ جاودانی

میں جاودانی مسرت کی متلاشی ہوں اور اُسکی تلاش
میں سیماب وار بے قرار۔ تبسمِ برق میں اُسے ڈھونڈھا لیکن وہ
تو عارضی تھی اور سراب آسا۔
برشگال کی ہلکی ہلکی دھوپ میں اس کا عکس نظر
آیا لیکن انحطاطِ وقت کے ساتھ ساتھ زوال پذیر۔
ملاحوں کے نشیلے گیتوں میں یہ روحِ حیات کی طرح

سُنائی دی لیکن وہ تو خرابیٔ محبت کا ماتم تھا اور اُسکی ناکامیوں کا گِلہ
اور میری تلاش! میری مسلسل تلاش!! مشتمل بر آرزوئے
ناتمام ہے اور کاوشِ پیہم کا صفر انجام۔
میرے تخیّلات پر یاس کا پردہ اس طرح حاوی ہے جیسے
درخشاں آفتاب کو ابرِ کثیف پوشیدہ کر لیتا ہے۔
تاہم میں اس وقت کی منتظر ہوں اور سراپا محوِ انتظار
جب انبساطِ جاودانی کی قُربت نصیب ہوگی اور اُس کے
لمس سے سرورِ بیکراں۔
میں چند روزہ مسرت کی متلاشی نہیں اور نہ نغماتِ
چنگ و رباب جیسی ناپائیدار خوشی کی خواہشمند ہوں۔
مجھے تو سچی خوشی کی تلاش ہے۔ وہ خوشی اجو
روشن ستاروں کی درخشانی کو اور بھی تیز کر دیتی ہے اور معصوم
ہرن کی آنکھوں میں کانپتی ہوئی روشنی کو تیز تر۔
غروبِ آفتاب کے ساتھ ساتھ میری ناکام آرزوئیں
بھی تمام ہو جاتی ہیں اور اُن کے افسانے شرمندۂ تکمیل۔
اور میری مثال اُس لہر کی طرح ہو کر رہ گئی ہے
جو اپنے ساحل تک پہنچنے سے معذور ہو۔

لیکن پھر بھی میں انبساط کی متلاشی ہوں اور سُرور کی متجسّس! جو دل کی گہرائیوں کو افشائے مسرّت سے جھنجھنا دے۔

ہاں! وہی انبساطِ جاودانی! جو کبھی نہ ختم ہونے والا ہو اور زندۂ جاوید! جو اپنی کپکپاتی ہوئی روشنی سے روح کے ساکت رباب کو جنباں کر دے اور فضاؤں میں مرتعش!

دنیائے خواب

اِس دہر کی شورشوں سے دور اور یہاں کی جانستانیوں سے آگے اک جہان آباد ہے۔ کلی جیسی معصوم روحوں کا مسکن اور چاندسی مقدس ہستیوں کی وادی۔

جو سدا بہار ہے گُل بداماں اور روح آسا۔

وہاں حوریں سرمدی گیت گاتی رہتی ہیں فرشتے نجات کے بگل بجاتے ہیں اور مقدس روحیں مصروفِ گلگشتِ چمن رہتی ہیں۔

وہ دنیائے خواب! جس کی ہر شے جاودانی ہے اور ہمیشہ کے لئے قایم و دایم۔

وہاں گزرتے ہوئے وقت کے قدموں کی سرسراہٹ روح کو تفکرات میں غلطاں نہیں کر دیتی نہ فرشتۂ موت کی صدائے جرس گوشہ ہائے قلب کو لرزاتی رہتی ہے۔ وہاں ماضی کا فکر نہیں نہ ہی حال کے جگر خراش واقعے روح کو اُداس کرتے نہیں وہ سرزمین تو فکرِ مستقبل سے بھی بے نیاز ہے۔

وہ تصور میں بستی ہوئی دنیا! جہاں امروز ہی امروز ہے پُرکیف ونشاط آگیں امروز! جس کے غنچے شاداں ہیں اور کلیاں متبسم! جہاں کے گلوں کے ساتھ خار نہیں اور نہ بلبل کے نالوں میں اضطراب ہے۔

وہ بہترین سرزمین! جو کلیوں کی طرح مقدس ہے ماہتاب جیسی حسین اور قوسِ قزح کی سی خوش رنگ! جہاں چاند کے چہرے پر ہالہ نہیں اور نہ بڑھتی ہوئی زردی۔ وہاں ہوا آہیں نہیں بکھیرتی اور نہ غربت خون کے آنسو روتی ہے۔

وہ سرزمین! جہاں کی فضا ایسی روح پرور ہے جیسے کوئی دھیمے سُروں میں رباعیاتِ عمر خیام پڑھ رہا ہو۔ روح سرسبز مرغزاروں میں آوارہ خرام رہتی ہے اور قلب مسرور و شاد شاد! ———

جادۂ حیات

معبود! کہاں تک جاتا ہے؟ حیات کا یہ طول وطویل راستہ اس کی انتہا کیا ہے؟ اور منزلِ مقصود کہاں ہے؟

یہ دیودار کے درختوں کے قوی ہیکل سائے میں ختم ہو جاتا ہے یا کسی یخ بستہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچتا ہے؟ یہ گرجنے والے سمندر کی موجوں میں کھو کر رہ جاتا ہے یا ستاروں کے درماندہ قافلے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے! کہتے ہیں کہ یہ اُس دل فریب وادی تک جاتا ہے جہاں سکون ہے۔ بہجت اور نغمات خوش آیند! جہاں شبنم آلود سبزہ پر سورج کی کرنیں تھرتھراتی رہتی ہیں۔ اُمیدِ رحمت کا فرشتہ برکت کے گیت گاتا رہتا ہے۔

لیکن میرے مالک! میں اُس وادی تک نہیں پہنچنا چاہتی مجھے تو کسی اور راہ پر ڈال دے۔ اس سے متضاد راہ پر۔

جہاں رنج ہو۔ ناکامی اور ہنگامہ! تمناؤں کی کسک ہو اور آرزوؤں کی بربادی۔

معبود! میں اس حقیقت کے عالم سے نکل کر انسانوں کی دنیا میں جانا چاہتی ہوں۔ موسمِ بہار کے چاند کی طرح دلفریب

وادی میں جہاں ہلکی فرحت بخش ہوا پتوں کو سرسراتی چلتی ہو لیکن اس کے نغموں میں تڑپ ہو اور گداز! جہاں کے جنت نگاہ مناظر میں دوزخ کا نقشہ کھنچا ہوا ہو، جس کی راحتوں میں آفتوں کی ملاوٹ ہو اور امرت میں زہر۔

آفتاب اونچے اونچے درختوں کے سائے میں ڈوبتا جا رہا ہے اور میرے دل میں جادۂ حیات کو جلد از جلد طے کرنے کی خواہش ترقی پذیر ہے

شام کی سیاہی آہستہ آہستہ شب کی تاریکی میں تبدیل ہو رہی ہے بالکل اس طرح جیسے میرے دماغ میں اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے کی آرزو ترقی پذیر ہے۔

اور درختوں کے سائے آہستہ آہستہ لانبے ہوتے جاتے ہیں میری آرزوؤں کی طرح! میری آرزوؤں کی طرح جو ہر دم بڑھتی ہی ہیں

معبود! کہاں ختم ہوتا ہے یہ جادۂ حیات! یہ زندگی کا طول و طویل راستہ!

کہاں تک!

جولائی کا ابرِ گریاں کائنات کی وسعتوں پر چھایا ہوا ہے

آفتاب اُسکی گہرائیوں میں روپوش ہو گیا اب ہر طرف اک تیرگی سی چھا رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہر فریاد کناں ہے اور ردائے ماتم میں ملبوس! زندگی کی تمام شورشیں خوابیدہ ہیں اور آرزوئیں مبدّل بہ حسرت! لیکن کہاں تک؟ جبر و استبداد کے اِن سرد سرد پنجوں کی جنبش پیہم کہاں تک؟ جبکہ آفتاب کی جلوہ پاشی کے لئے کائنات بے قرار ہے اور حد سے بڑھ کر بے تاب جیسے اک قطرۂ سیماب تڑپ رہا ہو۔

دھندلی سی شفق نے ہر شئے کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ نیند کی اوس پلکوں کو خواب کے بوجھ سے جھکائے ہوئے ہے اور شام کی سیاہی آہستہ آہستہ شب کی تاریکی میں ڈوب رہی ہے ستارے بالکل خاموش ہیں اور چاند کسی مخفی احساس سے زرد زرد لیکن اس تاریکی اور بڑھتی ہوئی تیرگی کا تسلط کہاں تک؟ جب کہ انتظار صبح میں سینکڑوں آنکھیں نیم وا ہیں اور ہزاروں قلوب وارفتہ۔

وقت کے آہنی پنجے کی گرفت میں جکڑا ہوا دہر دُکھ کے سانس لے رہا ہے۔ اس کی جبین پُر شکن ہے اور روئے حیات زرد زرد! وہ غربت کی آہوں کی طرح سرد ہے۔

اور مفلسی کے آنسوؤں کا سا گیلا۔

لیکن یہ قبضۂ ظلم وستم کہاں تک ؟ جب کہ اک حسین و
پُر کیف فردا اسے شگفتہ کردیگی۔ غنچہ کی چٹک کی طرح دہر
کے تمام مصائب دور ہو جائیں گے۔ پھر انصاف کا دور دورہ
ہوگا اور سکون و طمانیت کی حکومت۔

رودادِ دل

زندگی بھی کیسی دلفریب تھی اگر غمِ حیات نہ ہوتا
اور نہ آلامِ ہستی! لیکن جس طرح تاریکیٔ شب کے بعد طلوعِ صبح
سے دہر کا ہر غنچہ مسکرا اُٹھتا ہے۔ ریت کا ہر ذرّہ جھلملانے
لگتا ہے اور آبِ خوابیدہ بیدار ہو جاتا ہے۔

اسی طرح غم، الم جانسوز، اور دردانگیز واقعات
ہماری مسرّتوں کو دُگنا کردیں گے اور آنے والی خوشیوں
کو اک کیفِ نہاں سے بھرپور!!

روز و شب ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ لیکن
پھر بھی متحد! اگر ایک شکارِ آلام ہے اور باعثِ مصائب تو

دوسرا ان اسباب پر غور کرنے کی وجہ ہے اور ان سے احتراز کا دعویٰ
رات اس جانگسل کسلمندی کا خاتمہ کرتی ہے
جس سے دن کی جگمگاتی روشنی میں واسطہ پڑتا ہے اور دن
اس تاریکی کو غائب از دہر کر دیتا ہے جو رات کے اندھیرے
میں پرورش پاتی ہے۔

لیکن باوجود ان اختلافات کے ان کا ایک ہی
مقصد ہے اور ایک ہی مرکز۔ مخالف سمتوں پر چلتے ہوئے
بھی وہ اطرافِ موافق میں تنظیم پاتے ہیں۔

جس دل میں کوئی آرزو نہیں۔ وہ دل نہیں
گِل ہے۔ یک تودۂ خاک وسبزۂ پامال۔ ورنہ زندگی تو نام ہی
آرزو کا ہے اور شرارِ دل کو تابندگی بھی اسی سے ہے۔

جس زندگی کا کوئی مقصد نہیں اور نہ ہی کچھ
نصب العین ہے وہ زندگی نہیں خود فریبی ہے اور مبنی بر خود غرضی
فرشتۂ اجل کے لمس میں بھی پوشیدگی نیستی نہیں
جذبۂ احساس سے عاری ہو جانا بھی موت ہے بلکہ خودکشی سے
بڑھ کر اور جرمِ فنا سے کہیں زیادہ خوفناک۔

اِنتہا

آفتاب اونچے اونچے درختوں کے سائے میں ڈوب رہا ہے اس کی پھیکی پھیکی روشنی لمحہ بہ لمحہ کم سے کم تر ہو رہی ہے اور شام کا دُھندلکا آہستہ آہستہ گہرا ہو رہا ہے۔

ایسے سمے میں، میں اپنی حیات کی انتہا تک پہنچنے کے لئے بیقرار ہوں اور انھیں تفکّرات میں غلطان و پیچاں۔

مقدّس داور! اس شوریدہ و ناہموار زندگی کی انتہا کیا ہے۔ اس قدم قدم پر الجھتی ہوئی اور ہر لمحہ سیلاب بداماں زندگی کی انتہا جس کے راستے پیچیدہ ہیں اور پُرخطر! جہاں مصائب کے خار ہیں اور تفکّرات کے نشتر۔

میری افسردہ روح اس طرح کانپ رہی ہے جیسے گرجنے والے سمندر کی شوریدہ موجوں پر اک ننھا سا سفینہ لرزاں ہو یا کوئی شکستہ سازِ سوزاں۔

اس کے کنارے دن کو الوداعی پیغام دے رہے ہیں اور آفتاب گوشۂ عافیت میں سکون پذیر ہو گیا۔

لیکن میں اب بھی غرقِ یمِ خیال ہوں۔ دُھندلکے

کی چھوٹی گھڑیوں میں انتہائے حیات معلوم کرنے کو بیچین ہوں
اور انھیں تفکرات میں کھوئی کھوئی۔

اس اُلجھا دینے والی عبارت کو سُلجھاتے سُلجھاتے میں
تھک کر رہ گئی ہوں اور ناتوانی کے سمندر میں ڈوبی ڈوبی۔

میری زندگی کی مثال اس رباب کی طرح ہے جسکے
تار ٹوٹ کر اس کے نغموں کو خاموش کر دیتے ہیں۔

بڑھی ہوئی تاریکی میں سے سیاہ رات جھانک رہی ہے
اور درختوں میں ایک شوخ ستارہ ہنس رہا ہے۔

لیکن میں آغازِ حیات میں ہی اس کے انجام تک
پہنچ جانا چاہتی ہوں۔ اس کی انتہا معلوم کرنا چاہتی ہوں
اور اس کے جلد از جلد خاتمہ کی متمنی ہوں۔

وادیٔ تخیل

رات آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی ہے۔ دور سے
سمندر کے اُکھڑے اُکھڑے سانس لینے کی آواز آتی ہے اور
ستارے آسمان میں قطرہ ہائے اشک کی طرح لرزاں ہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنت سے نکالی ہوئی روح
کے آنسو ہیں جو اپنے مسکن تک پہنچنے کے لئے بیتاب ہے
اور اُس کے فراق میں اشک ریز۔

چاند اور ستارے مغرب میں ڈوب چکے ہیں زمانہ
افسونِ شب سے بیدار ہو رہا ہے اور پہلی شعاعِ آفتاب دریچہ
سے لڑکھڑاتی ہوئی اندر آتی ہے

جیسے اُمید و رحمت کا فرشتہ صبح کی روشنی کے ساتھ
کمرے میں داخل ہو رہا ہو۔ برکتوں کی گٹھریاں لے کر اور
پاکیزگیوں کے انبار۔

خوفناک تاریکی بھوت کی طرح فضا پر مسلط ہے
جھینگر کی آواز کسی کے نالۂ ماتم کی طرح سُنائی دیتی ہے اور
اُلّو غمگین چیخیں مار رہا ہے۔

شاید بے ثباتیٔ دہر پر نوحہ خواں ہو۔ اسکی عشرت
ہائے فانی پر مغموم ہو اور حبابِ آسا نیرنگیوں پر غمگین و غیر مطمئن
جولائی کا ابر گریاں فضا پر سیاہ بانات کی طرح چھا رہا ہے مطلع
دھواں دھار ہے اور ماحول وحشت ناک۔

جیسے آبشار کی ملکہ قطروں کے ساز پر کوئی گیت

گا رہی ہو۔ کوئی غم انگیز اور دردناک گیت جو روح کو افسردہ کر رہا ہے اور قلب کو اداس اداس۔

داستانِ ماضی

ماضی کی داستان۔ یہ ہمیشہ یاد رہنے والی کہانی۔

اللہ! اس سے کس قدر رشتہائے خواب وابستہ ہیں.... اور پرکیف نغماتِ حیات پیوستہ۔

لیکن دا ور! حقیقت ہونے پر بھی یہ مبتسم برق کی طرح سراب آسا نکلے۔ قطرۂ شبنم کی طرح فانی اور ہر لمحہ تغیر پذیر۔ جیسے موسم برشگال میں قوس و قزح رنگ بدلتی رہتی ہے لیکن ان رفتہ و گزشتہ داستانوں میں بھی بہت سی آرزوئیں پوشیدہ ہیں اور خواہشیں خوابیدہ! جن کی محض یاد ہی اب حیات کا مقصد بن چکی ہے اور زندگی کا مطلب مگر آہ! کیسی جلدی ختم ہو گئیں ماضی کی رنگین داستانیں۔ محض اپنے چند مٹتے ہوئے نقوش چھوڑ کر۔ جو لمحہ بہ لمحہ مدھم پڑ رہے ہیں۔ کہیں امتدادِ زمانہ انھیں بھی معدوم

نہ کردے اور واقعاتِ ماضیہ میں چھپاں۔

یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جب ہمیں ان کے وجود پر شک ہوگا اور ہستی پر محض اک نظری دھوکا۔

لیکن معبود! فانی زندگی داستانِ ماضی کو تو جاودانی ہونے سے نہیں روک سکتی۔

یہی تو ہماری حیات کا نقش پارہ جائیگی اور زندگی کے گزرے ہوئے قافلے کے جرس کی آواز۔

اور اس وقت! جب موت ہمیں دہر کی نظروں سے غائب کردیگی اور کائنات کی وسعتوں سے نہاں۔

تو یہ ماضی کی داستانیں خوش رنگ غنچے بن کر چپے چپے پر بکھر جائیں گی اور اپنی دھیمی دھیمی خوشبو سے ایک عالم کو سرشار کرینگی

میری ہستی

میری ہستی کی مثال اس دہر میں اک برگِ کاہیدہ کی طرح ہے جو وقت کے شوریدہ سمندر پر بے معنی چکر کاٹ رہی ہے

حیران حیران اور غلطاں غلطاں۔

جسے جذبۂ احساس سکون نہیں لینے دیتا اور حیات کی باریکیاں لرزہ براندام رکھتی ہیں۔ میری ہستی۔ معبود! مجموعہ ہے آلام وحوادث کا۔ یہ مظلوم کے چہرے کو مغموم پاکر پہروں تلملاتی ہے۔ اس کی اشک شوئی کو تیار ہو جاتی ہے اور اُسکے تفکرات پر پژمردہ! یتیموں کی آہیں اسے پہروں جینے نہیں دیتیں۔ ان کی قابلِ رحم حالت اسے پہروں افسردہ رکھتی ہے اور فرطِ الم سے ساکت۔

اُف میری ہستی! کہ کسی دستِ نازک میں کاسۂ گدائی دیکھ کر اس کی آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہو جاتا ہے اور قلب وجگر پر بڑھتی ہوئی تھکن طاری۔

منزلِ مقصود سے دور مسافر کا تصوّر اسے لرزہ براندام رکھتا ہے اور اس کی نگاہوں میں الم انگیز افسانے پڑھ کر اپنے آپ سے بیزار

معبود! مقدّس معبود! جب جوانی بڑھاپے کے رعشہ براندام لیکن قوی ہاتھوں میں اس طرح دم توڑنے لگتی ہے جیسے غروب ہوتا ہوا آفتاب آخری سنبھالا لے کر او جھل ہو جاتا ہے۔

تو اس پر ایک حسرتناک مایوسی چھا جاتی ہے جیسے
ماہ شب تاب بادلوں کے پردے میں چھپ جاتا ہے۔ روح فانی
دہر کو خیرباد کہنے کو آمادہ ہو جاتی ہے اور قلب شکستہ اور بھی نڈھال

تمنّا

میری تمنا ہے مقدس داور! اور حیات فانی کی سب
سے بڑی خواہش! کہ میں اک فضا میں جھلملاتی ہوئی تتلی کی
طرح بے پروا ہوتی اور ہوا کے جھونکوں کی طرح آزاد۔

تاکہ میں دور! بہت دور!! غیر مرئی وادیوں
کے دلفریب مرغزاروں میں کلّیں کاٹتی پھرتی۔ دھر کی
شورشوں سے بے خبر اور یہاں کی آفتوں سے بے خبر

معبود! میری خواہش ہے کہ میں ایک پرندے کی
طرح آزاد ہوتی اور قدسی وادیوں میں پرواز کناں!

دامن کہسار میں غروب آفتاب کا نظارہ دیکھتی اور
پہاڑی جھرنوں کے دلفریب راگوں سے لطف اندوز ہوتی۔

میری تمنا ہے کہ صنوبر کے مسرت آمیز سایوں میں

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عرصۂ حیات صرف کرسکتی۔ اپنی ہستی کو فراموش
کردیتی اور ستاروں کی جگمگاتی دنیا میں آوارہ خرام ہوجاتی۔

مقدس داور! کاش کہ میں دریائے خود فراموشی
کے چند قطراتِ روح آسا حاصل کرسکتی۔ پھر تخیل کی موجوں پر
بہتی پھرتی اور تصور کی لہروں پر تیرتی۔ اُف کتنی دلچسپ
ہوتی یہ زندگی بھی اور کیسی لاابالیانہ۔

جب شادابیٔ حیات ہلکی ہلکی پھوار کی صورت میں
برستی اطمانیتِ قلبی کا حصار ہوتا اور روحانی مسرتوں کا غلبہ

کہکشاں

جب رات کا بڑھتا ہوا اندھیرا تاریک تر ہوجاتا ہے
اور آثارِ حیات نظر آنے کے ناقابل تو ردائے عنبریں میں ملبوس
دہر اک خزاں رسیدہ پھول معلوم ہوتا ہے۔ کسی کی دستبرد
کا شکار اور جور و جفا کا ستائی۔

ایسے وقت میں نیکیاں فضاؤں میں تحلیل ہونے لگتی ہیں
پاکیزگی افسانۂ پارینہ بن جاتی ہے اور اہرمن کا تسلط برسرِ کائنات

معصیت، گناہ اور سیہ کاری کی سیہ فام چڑیلیں
اہل دہر کو مسخر کرنے لگتی ہیں۔ معصومیت کی مقدس دیوی
دم بخود ہو جاتی ہے اور عروس پاکیزگی صورت بیمار! ایسے
وقت میں ایک غیر مرئی ہاتھ آگے بڑھتا ہے تاکہ نیکی کی
آغوش میں پناہ لینے والی روحوں کو راہِ نجات دکھائے
اور دنیائے سرمدی کا راستہ۔
اس وقت ستاروں کی درخشانی تیز تر ہو جاتی
ہے۔ ان کے گرد اک ضو فشاں سا ہالہ کھنچ جاتا ہے سپید
سپید بادل لہرا لہرا کر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں اور چاند کے
تبسم میں پاکیزگی کی جھلک نظر آتی ہے۔
اہرمن اپنی سعی کو بار آور نہ ہوتے دیکھ کر روپوش
ہو جاتا ہے اور مع اپنے رفیقوں کے غائب از دہر۔ کائنات
پر اک شگفتگی سی چھا جاتی ہے اور نیکیوں کے خوش رنگ پھول
اپنی نکہت پاش لپٹوں سے فضا کو معطر کرتے ہیں۔ آسمانی
دریچوں سے تقدس مآب روحیں مسکرا مسکرا کر جھانکتی ہیں اور
اہل دہر کو شہاب ثاقب کے پھول عقیدت کی صورت میں پیش
کرتی ہیں۔ حوریں ان کے لئے جنت کے بکھرے ہوئے موتیوں

کی مالا تیار کرتی ہیں اور فرشتے قدسی وسماوی گیت گاتے ہیں
جسے ہم بہشت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں - وہ
حقیقت میں پاکیزگیوں کا حصار ہے اور نجات کا سرمدی راستہ
جس تک پہنچ کر بھٹکتی ہوئی روحیں سکون حاصل کرتی
ہیں اور انبساطِ قلبی -
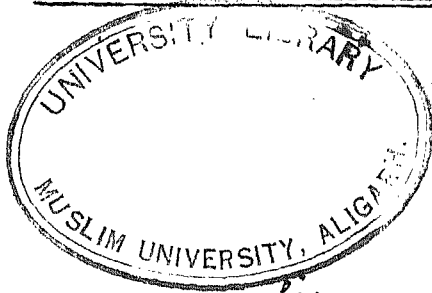
پرنٹر
آدم علی غلام حسین نے عباسی آرٹس لیتھو پریس کراچی میں چھاپا